امثل عزیز شہزاد

شہر آشوب

ایک ڈھلتی عمر کی عورت سڑک پار کرتے ہوئے ایک لڑکی کو دیکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ماڈرن عورت ہے۔ وہ اسے چلا کر رکنے کے لیے کہتی ہے لیکن وہ دونوں سڑک پار کر کے گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔

وقار صاحب کے دو بچے ہیں۔ اجیہ اور سائر.... وہ سائر کی شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کی بیوی اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی سالی مہ پارہ خاص طور پر لندن سے اس شادی میں شرکت کرنے آئی ہیں' اجیہ وقار صاحب کو بتاتی ہے کہ سائر اس شادی سے ناخوش نظر آتا ہے۔ وقار صاحب یہ سن کر پریشان ہو جاتے ہیں۔

اجیہ بہت خوب صورت ہے۔ وہ دو ماہ کی تھی جب اس کی ماں چلی گئی۔ وہ اپنی خالہ مہ پارہ سے پوچھتی ہے' اس کی ماں کیسی تھیں۔ مہ پارہ بتاتی ہیں کہ اس کی ماں بہت خوب صورت تھی بالکل کانچ سے بنی مورت۔ وقار صاحب کی بہنیں بھی انہیں احساس دلاتی ہیں کہ سائر اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ تب وقار صاحب سائر سے براہ راست بات کرتے ہیں کہ سائر کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں ہے۔ تب سائر کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور وہ اپنے باپ کی کوئی بھی خواہش رد نہیں کر سکتا۔

سائر کی شادی میرب سے ہو رہی ہے۔ میرب دو سال کی تھی جب ان کی ماں بھی دنیا سے چلی گئی تھیں۔ ابراہیم صاحب نے اس کے بعد شادی نہیں کی۔ ان کے پڑوسی اور دوست احمد سعید اور ان کی بیگم نے میرب کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھا سعید صاحب کی بیٹی ماریہ کی میرب سے گہری دوستی ہے ان کا ایک بیٹا عاشر ہے جو اجیہ کو پسند کرتا ہے شادی کی

مکمل ناول





تقریبات میں سائر کا رویہ بہت اکھڑا ہوا رہتا ہے۔ شادی کی رات بھی وہ میرب سے بہت رکھائی سے پیش آتا ہے وہ میرب سے کہتا ہے کہ وہ اس سے صرف وفاداری کی توقع رکھتا ہے اور اسے اپنی بہن اور والد کا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔

اجیہ کی دوست شینا بہت آزاد خیال لڑکی ہے۔ اس کا بھائی آغا شایان اجیہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اجیہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ جبکہ میرب کا بھائی سعد' اجیہ کو پسند کرتا ہے۔

سائر کا رویہ میرب کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ معمولی باتوں پر شدید رد عمل ظاہر کرتا ہے۔' وہ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی لڑکے سے بات نہ کرے۔

وہ عورت جس نے سڑک پر مہ پارہ کو دیکھا تھا۔ ایک خستہ فلیٹ میں رہتی ہے۔ وہاں سے کوئی پرانا پتا نکال کر مہ پارہ کے گھر جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ مہ پارہ وہ گھر چھوڑ چکی ہے۔ لیکن وہاں کے مکین اسے وقار صاحب کے گھر کا پتا دے دیتے ہیں۔

تب وہ کہتی ہے وقار آج سے سالوں پہلے تم نے جو اذیت مجھے پہنچائی تھی' اس کے بدلے کا وقت آپہنچا ہے۔"

شیخ عبدالحمید کریانہ فروش ہیں۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں' نازو' چندا اور مانو۔ چندا کا مزاج اور صورت سب سے الگ ہے۔ وہ بے حد حسین ہے اور پڑھائی کے بجائے دوسری رنگا رنگ سرگرمیوں میں دلچسپی رکھتی ہے۔ شیخ صاحب کی لاڈلی ہے۔ کالج میں ایک ڈرامے میں قلوپطرہ کا کردار کرتی ہے تو آصف شیرازی اسے ٹی وی پر اداکاری کی آفر کرتا ہے۔ وہ ایک ڈائریکٹر شکیل ملک کا ملازم ہے۔ اس آفر پر چندا بہت خوش ہوتی ہے لیکن وہ جانتی ہے کہ اس کے گھر والے کبھی اسے ٹی وی پر کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور شادی کرکے رخصت کردیں گے۔ وہ آصف شیرازی سے کہتی ہے کہ تم مجھ سے شادی کرلو یہ اصلی شادی نہیں صرف ایک معاہدہ ہوگا۔ میں گھر والوں کے چنگل سے نکل آؤں گی۔ آصف مان جاتا ہے۔

میرب سائر کے رویے سے بہت پریشان ہے۔ وہ عاشر سے بات کرنے کو منع کرتا ہے۔

اجیہ کا تعلق آغا سے بہت بڑھ چکا ہے۔ دونوں ملاقاتیں کررہے ہیں۔ ادھیڑ عمر عورت اجیہ کو فون کرکے بتاتی ہے کہ اس کی ماں زندہ ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ اجیہ کی ماں سے ملاقات بھی کراسکتی ہے۔

چوتھی قسط

اس کے بال پکڑ کر ہذیانی انداز میں غرایا۔

"آوارہ عورت۔۔۔ کیوں پہنا ہے تو نے یہ بے ہودہ لباس' جواب دے۔" وہ اس کے بال پکڑ کر جھٹکے دینے لگا۔ مارے تکلیف کے وہ بلبلا کر رو دی۔

"میرے بال چھوڑیں مجھے تکلیف ہورہی ہے۔" وہ کرلائی۔

"تکلیف تو تجھے اب ہوگی۔۔۔ کس لیے کررہی ہے تو اپنے جسم کی نمائش' تیری کون سی حس کو تسکین مل رہی ہے بتا۔" وہ جنگلیوں کی طرح اس کی ساڑی کا پلو کھینچ کر بولا۔ پلو پن سے اٹکا ہوا تھا۔ یوں کھینچنے سے پھٹ گیا۔

"کیا ہوگیا ہے آپ کو۔۔۔ پلیز ہوش کریں۔" وہ بری طرح روتے ہوئے گڑگڑائی۔

"ہوش میں تو تجھے میں لاؤں گا۔ تو نے کیا سمجھا مجھے بے غیرت؟ جو میں چپ چاپ تیری بے ہودگیاں برداشت کرتا رہوں گا۔ مجھے پہلے ہی پتا تھا ساری عورتیں بے وفا ہوتی ہیں۔ اپنی خواہشات کی غلام تو میری آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتی ہے' مگر میں بے وقوف نہیں ہوں' تو نے مجھے کمزور سمجھ رکھا ہے۔"

اس نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر دے مارا۔ وہ جو بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے روتی ہوئی اس کا یہ پاگل پن وحشت' دہشت سے دیکھ رہی تھی۔ لڑکھڑا کر پیچھے گری اور ہوش و خرد سے بیگانہ ہوگئی۔

ایک خوب صورت دن کا بد صورت اختتام ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں لگتا تھا گویا کسی نے مرچیں ڈال دی ہوں۔ پوری رات روتے روتے گزر گئی تھی۔ کیا تھا جو وہ بے ہوش ہی رہتی مگر اس ظالم نے اسے بے ہوش بھی رہنے نہ دیا۔ ہوش میں لا کر خود کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ صبح کہیں جا کر روتے روتے ذرا کی ذرا آنکھ لگی۔ جو نامعلوم احساس کے تحت کچھ دیر بعد کھل بھی گئی۔ وہ دشمن جاں آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میرب کے وجود میں دوڑتی اذیت دوچند ہو گئی۔

"اتنی ذلت۔۔۔ ایسا وحشیانہ سلوک۔" وہ اپنی نگاہوں ہی میں گر گئی تھی۔ وہ تو صرف اسے بھرپور توجہ دینے۔۔۔ اپنی محبت کا احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"مگر بے کار ہے۔۔۔ سب بے کار ہے' اس آدمی کے سینے میں دل ہی نہیں تو دوسروں کا احساس کہاں سے ہو گا۔ یہ شخص اک پتھر ہے' جس سے سر ٹکرا کر میں پاش پاش تو ہو سکتی ہوں مگر اپنی محبت سے اسے تراش نہیں سکتی۔ اپنے حسن سلوک سے اسے موم نہیں بنا سکتی۔

بابا۔۔۔ آپ کہاں ہیں دیکھیے تو مجھے۔۔۔ جسے آپ نے کبھی غصے میں ڈانٹا تک نہیں' آج اس کے ساتھ کیسا بے رحمانہ سلوک کیا گیا ہے۔" روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

وہ اسے نظر انداز کیے تیار ہوتا رہا اور پھر بنا کچھ کہے کمرہ عبور کر گیا۔ وہ اس کے جانے کے بعد اپنے بکھرے منتشر وجود سمیت اٹھی۔ دیر تک شاور کے نیچے کھڑی رہی۔ مگر اک عجب سی ذلت و بیکی کا احساس تھا جو حل ہی نہیں رہا تھا۔ کچھ دیر بعد نکلی اور اسٹڈی سے وقار صاحب کا لیپ ٹاپ لے کر اپنے روم میں لوٹی۔ فون پر اس نے ابراہیم صاحب کو اسکائپ پر آنے کا پیغام دے دیا تھا۔ جوں ہی وہ سامنے آئے وہ بنا کچھ پوچھے بنا کچھ کہے بے ساختہ ــــ رو دی۔

"کیا ہوا میبو۔۔۔ میری جان۔۔۔ سب خیر تو ہے۔" انہوں نے انجانے خدشوں میں گھر کر بے قراری سے پوچھا۔

"کیوں چلے گئے بابا! آپ مجھے یہاں اکیلا چھوڑ کے۔" وہ بلک کر بولی۔

"میری بیٹی۔۔۔ خدارا خاموش ہو جاؤ' کچھ بتاؤ تو سہی کیا بات ہے۔ اتنی صبح سویرے کیوں مجھے بلایا۔۔۔ سب ٹھیک تو ہے۔" ان کا تو چین و قرار اسے یوں تڑپتے دیکھ کر لٹ گیا تھا۔

"وہاں سب ٹھیک ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے کیا' سائرہ سے جھگڑا ہوا ہے؟" وہ اندازے لگاتے رہے۔

"کچھ نہیں ہوا۔۔۔ بس مجھے آپ کے پاس رہنا ہے۔" وہ ملتجی ہوئی۔ "پلیز۔"

"مگر بیٹا! ۔۔۔ ایسے کیسے۔۔۔ اب گھر بار والی ہو۔ تم پر ذمے داریاں ہیں۔ سمجھ داری سے کام لو۔" وہ رسان سے اسے بہلانے کی کوشش کرنے لگے۔

"تو آپ پاکستان آ جائیں۔ میں کچھ دن آپ کے پاس گزارنا چاہتی ہوں۔" وہ مصر ہوئی۔

"بیٹا۔۔۔" ابراہیم صاحب اس کے مسلسل اصرار پر کچھ پریشان سے ہو کر بولے۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں' تم تو کبھی اتنی ضدی نہیں تھیں۔ میں اکیلا نہیں آ سکتا۔ یہاں آ کر میرے گھٹنے جواب دے گئے ہیں۔ بغیر سہارے کے چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔"

"مجھے آپ کی بہت یاد آ رہی ہے بابا۔" وہ سسکنے لگی۔

"میبو بیٹے۔۔۔ اپنے بابا کی برداشت کا امتحان مت لو یوں رو کر۔" وہ نمناک ہوئے۔ "تم جانتی ہو میں تمہیں اور عاشر کو ذرا سی بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔" تب اسے ایک دم خیال آیا۔ بابا ضعیف ہیں اور دل کے مریض بھی۔ اس کے یوں ان کے سامنے ضبط کھو کر رونا بلکنا کسی طور مناسب نہیں' مگر کیا کرتی وہ

بھی اپنی جگہ مجبور تھی۔ اس وقت کسی بہت ہی اپنے کی گود میں سر رکھ کر سارے دکھ درد اسے سنانے کا جی چاہتا تھا مگر اپنے زخم انہیں کہاں دکھا پائی تھی وہ۔۔۔ دکھا بھی نہیں سکتی تھی کہ انہوں نے بہت مان اور اعتماد کے ساتھ اپنے دوست پر بھروسا کر کے اپنی نازک سی بیٹی اس کے حوالے کی تھی اور جب مان اور اعتماد ختم ہو جائے، تب تو کچھ بھی باقی نہیں بچتا، جیسے اس کے اندر نہیں بچا تھا مگر وہ یہ خالی پن نہ انہیں دکھا سکتی تھی، نہ اس میں حصے دار ہی بنا سکتی تھی۔

"سوری بابا۔۔۔ میں نے بلاوجہ آپ کو پریشان کیا، یوں آدھی رات کو۔" وہ بے حد شرمسار لہجے میں بولی اور اپنی سسکیاں اپنے اندر دفن کرنے کی سعی لاحاصل کرنے لگی۔

"کوئی بات ہوئی ہے تو مجھے بتاؤ۔" وہ فکر مند تھے۔

"نہیں بس۔۔۔ بہت یاد آرہی تھی آپ کی۔" اس نے بات گھمانا چاہی۔

"یاد تو میں اور عاشر بھی تمہیں پل پل کرتے ہیں بیٹا۔۔۔ عاشر کا کانٹریکٹ ختم ہوتے ہی ہم آجائیں گے۔ تم سنبھالو اپنے آپ کو۔۔۔ بلکہ ایسا کرو کچھ دنوں کے لیے ماریہ بیٹی کے گھر رہ آؤ۔۔۔ وہ بھی تو تمہارا میکہ ہے۔"

(نہیں بابا۔۔۔ میں کہیں نہیں جاسکتی۔ اس زنداں سے تو شاید اب مر کر ہی رہائی ملے گی۔) "ہاں۔۔۔ دیکھتی ہوں، رئیلی سوری بابا۔۔۔ میں نے آپ کو پریشان کر دیا نا۔"

"ہرگز نہیں میری جان۔۔۔ کچھ دیر میں، میں بس جاگنے ہی والا تھا۔" انہوں نے اس کی شرمندگی زائل کرنے کو کہا۔

"اچھا۔۔۔ پھر خدا حافظ۔۔۔ عاشر کو میرا سلام کہیے گا۔"

"وہ بھی تمہیں بہت یاد کرتا ہے۔ چھٹی کے روز بات کر لینا اس سے بھی۔"

"اوکے۔۔۔" وہ کہہ کر سرعت سے آف لائن ہو گئی اور گھٹنوں میں سر دے کر بے آواز رونے لگی۔

"کیا کروں میں۔۔۔ کچھ سمجھ نہیں آتا۔۔۔ یا اللہ تو ہی کچھ راہ سجھا دے۔" وہ فریادی بنی۔ دوسری جانب ابراہیم صاحب تاحال متفکر بیٹھے تھے۔

"نہیں کچھ تو بات ہے۔۔۔ کیسی بجھی بجھی اور بے حال لگ رہی تھی میری۔۔۔ مجھے فاروقی سے بات کرنی ہی ہو گی۔" انہوں نے حتمی انداز میں سوچا۔

☼ ☼ ☼

دن بوجھل اور راتیں بے کیف تھیں۔ اوپر سے اس کی حالت۔۔۔ اس کا مزاج دن بدن چڑچڑا ہوتا جارہا تھا۔ جمیل اس کا ہر ممکن خیال رکھ رہا تھا۔ اس کی ہر فرمائش خواہ ـــــــــ بے تکی ہی ہو پوری کر رہا تھا مگر اس کی بے زاری تھی کہ بڑھتی چلی جارہی تھی۔ یوں ہی سات ماہ گزر گئے۔ اک روز اس کا جی اتنا گھبرایا کہ سرِشام ہی کالونی کے باغ میں چہل قدمی کی غرض سے نکل گئی۔ اس کے بعد اس نے یہ معمول بنالیا۔ جمیل کو پتا چلا تو اس نے بشیرن کو ساتھ لے جانے کی تاکید کی۔ وہ ان دنوں اپنے کاروبار میں دن رات مصروف تھا۔ وہ محنت کر رہا تھا۔ اسے چندا کو خوشیاں دینی تھیں۔ وہ ساری فرمائشیں پوری کرنی تھیں جو وہ وقتاً" فوقتاً" کرتی رہی ہے۔ چندا کو پرتعیش زندگی چاہیے تھی اور اس کے لیے بہت سا پیسہ درکار ہوتا ہے اور بہت سا پیسہ بہت سی محنت سے آتا ہے۔ سو وہ محنت کر رہا تھا۔ اس شام بھی وہ حسب معمول باغ کے لیے نکلی۔ بشیرن نے ساتھ چلنے کا کہا تو اسے دھتکار دیا۔ دھیمی چال چلتی ہوئی وہ اپنی مخصوص بینچ پر آبیٹھی اور۔۔۔ باغ میں ہوتی رونق دیکھنے لگی۔ تب ہی کوئی خاتون اس کے نزدیک بینچ پر آکر بیٹھیں۔

"ہیلو۔۔۔" انہوں نے اسے مخاطب کیا۔ وہ چونکی۔۔۔ اور انہیں دیکھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کی خاصی ماڈرن سی خاتون تھیں۔

"ہیلو۔۔۔" وہ بھی جواباً" بولی۔

"کون سا منتھ ہے؟" اس نے ناگواری سے جواب دیا۔ اسے عورتوں کے اس طرح کے سوالات بے

حد برے لگتے تھے۔

"اوف۔۔۔ بہت کم عمر لگتی ہو۔ کیا عمر ہے تمہاری؟" اب انہوں نے اپنے کندھے تک آتے براؤن بال بینڈ سے آزاد کرلیے تھے۔

"انیس سال۔۔۔" اسے ان کا سوال نامہ زہر لگ رہا تھا۔

"اتنی کم عمر میں شادی کیوں کرلی؟ اوہ! سمجھ گئی لو میرج؟" انہوں نے یوں سر ہلایا، گویا سب سمجھ گئی ہوں۔

"جی نہیں۔۔۔ ارینج میرج۔۔۔" اس نے ان کی غلط فہمی فی الفور رفع کی۔

"ہائے نہیں۔۔۔ ایسی کیا افتاد آن پڑی تھی جو تمہیں اتنی کم عمری میں بیاہ دیا۔" وہ افسوس کرنے لگیں۔

"آپ کی تعریف؟" چندا نے چڑ کر پوچھا۔

"پومی۔۔۔" مسرت سے بتایا۔ (جتنی بے تکی یہ شخصیت ہے اس کا ایسا ہی نام ہونا چاہیے تھا۔) اس نے دل میں سوچا۔

"اچھا تو پومی آنٹی۔۔۔ آج کیا پہلی مرتبہ آئی ہیں آپ یہاں، آپ کو پہلے تو نہیں دیکھا۔" اس نے وقت گزاری کے لیے اب ان سے سوالات شروع کردیے۔

"ہم ابھی ابھی کراچی سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ یہ علاقہ تو ایویں ہے۔ ہمارا تو گھر بن رہا ہے گلبرگ میں۔۔۔ کچھ روز میں وہیں شفٹ ہوجائیں گے۔" وہ تفاخر سے بولیں۔ ان کے اس علاقے پر ناک بھوں چڑھانے پر چندا کا منہ بن گیا۔ (ویسے کہہ تو ٹھیک ہی رہی ہیں۔ گلبرگ کے آگے تو یہ علاقہ تھرڈ کلاس ہی ہے۔) وہ تو سو فیصد متفق تھی۔

"کراچی میں کہاں رہتی تھیں؟" اس سوال پر وہ ایک لحظہ رکیں پھر بولیں۔

"نرسری کے علاقے میں، دراصل میرے شوہر پی ٹی وی پر جاب کرتے تھے پہلے۔ سچ اتنی محنت اور معاوضہ کچھ خاص نہیں۔ پھر وہ تو میری قسمت سے باٹلی والا صاحب کی نظر ان پر پڑ گئی۔"

"کیا نام ہے آپ کے شوہر کا؟" چندا کے کان کھڑے ہوگئے۔

"انوار حمیدی۔۔۔ نام تو تم نے یقیناً "سنا ہوگا۔" وہ تیقن سے بولیں اور یہ نام یقیناً چندا نے نہیں سنا تھا مگر اخلاقیات بھی کوئی چیز ہے آخر۔

"ہاں کیوں نہیں، وہ تو خاصے مشہور ڈائریکٹر ہیں۔" وہ بولی۔

"ڈائریکٹر تو خیر نہیں ہیں" وہ کچھ ہلکی ہو کر بولیں۔ "اسسٹ کرتے ہیں۔"

"ویسے اصلی کام تو سارا اسسٹنٹ ہی کرتے ہیں۔ ڈائریکٹر تو صرف منہ چلانے اور چیخ پکار کرنے کے سوا کرتا ہی کیا ہے۔" چندا نے کہا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا" وہ بہت خوش ہو کر بولیں۔ "ساری محنت تو کریں۔ اسسٹنٹ اور کریڈٹ لے جاتے ہیں ڈائریکٹر۔ اس لیے تو حمیدی صاحب خود ڈائریکشن کا سوچ رہے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

"تم بہت خوب صورت ہو، بالکل کسی فلمی ہیروئن کی طرح۔۔۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ۔ وہ نگوڑ ماریاں تو یوں ہی سی ہوتی ہیں، سارا کمال میک اپ کا ہوتا ہے۔"

"آپ مذاق کررہی ہیں۔" وہ انکساری سے بولی۔ بناوٹی انکساری۔۔۔

"ارے بالکل نہیں۔۔۔" انہوں نے کہا۔ تم مجھے پیاری لگیں، تب ہی تم سے بات کی، ورنہ تو میں یوں ہی ہر کسی سے بات شروع نہیں کردیتی، آخر کو اتنے بڑے نامی گرامی آدمی کی بیوی جو ہوں۔ وہ متکبرانہ لہجے میں بولیں۔

"جی ٹھیک کہا۔" چندا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ سے مل کر ازحد خوشی ہوئی، وہ سامنے میرا گھر ہے کبھی وقت تشریف لائیے۔"

"ضرور۔۔۔ مجھے تمہارے گھر آکر خوشی ہوگی۔" پھر

وہ دیر تک یوں ہی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں اور یوں چندا کی روکھی پھیکی زندگی میں اک رنگ برنگ کردار کی آمد ہوئی۔ پومی۔۔۔ جیسا نام۔۔۔ ویسی ہی شخصیت اور ویسے ہی کام۔

☼ ☼ ☼

وقار بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ تب ہی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا ان کا فون بجا۔ انہوں نے چونک کر کتاب نشانی لگا کر بند کی اور راکنگ چیئر سے اٹھ کر فون تک آئے۔ اسکرین پر ابراہیم کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

ابراہیم صاحب بمشکل تمام کچھ گھنٹے ہی اپنی فکرمندی اور تشویش کو دبا پائے تھے۔ وہ بھی اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ شاید پاکستان میں ابھی سب جاگے نہ ہوں' خود تو وہ خیر رات کے آخیر پہر سے جاگ رہے تھے۔ میرو کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ نظرانداز کر پاتے۔

"ہیلو۔۔۔ کیسے ہو بھئی ابراہیم۔۔۔ بڑے دنوں بعد یاد کیا۔" وہ خوشی سے کھل گئے۔

"السلام علیکم وقار۔۔۔ کیا حال ہے تمہارا؟" وہ نسبتاً" سنجیدگی سے بولے۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ وعلیکم السلام۔۔۔ ٹھیک ٹھاک ہیں بھئی ہم تو' تم اپنی سناؤ۔" وہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئے۔

"سائرہ اور میرو کیسے ہیں؟" انہوں نے نہ جانے کیا سوچتے محتاط لہجہ اختیار کیا۔

"الحمدللہ دونوں خیریت سے ہیں۔ کل سالگرہ تھی سائرہ کی' میرو بیٹی تمہیں بہت یاد کرتی رہی۔" انہوں نے بتایا۔ "ابھی جاگی نہیں' جاگے گی تو تمہاری بات کروادوں گا' نیٹ پر شکل دکھادینا بچی کو۔"

"وقار۔۔۔ وہاں سب ٹھیک تو ہے نا؟" وہ چاہتے ہوئے بھی انہیں آج صبح کا واقعہ بتا نہ پائے۔

"ارے بھئی ہاں۔۔۔ یار تم کیوں اتنے متفکر ہو رہے ہو' تمہاری بیٹی بہت خوش' بہت مطمئن ہے یہاں۔ چاہو تو اس سے خود پوچھ کر دیکھ لو۔ مجھ پر تو شاید تمہیں اعتبار نہیں رہا۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولے۔

"خوش اور مطمئن۔۔۔" ابراہیم نے دل میں دہرایا' مگر نہ ہی وہ مجھے خوش لگ رہی تھی' نہ ہی مطمئن۔۔۔ مگر یہ وقار کیا کہہ رہا ہے' میں کس پہ یقین کروں؟ وہ مزید بے چین سے ہو گئے۔

"ارے یار۔۔۔ کیا خاموش رہنے کے لیے فون کیا ہے۔۔۔ اور کیسا ہے عاشر۔ پھر کب آرہا ہے پاکستان؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے۔ دیکھو کب آپاتا ہوں۔ چلو یار ابھی رکھتا ہوں' پھر بات کروں گا۔" انہوں نے مزید بنا کچھ سنے کہے فون رکھ بھی دیا۔

"یہ اسے کیا ہو گیا۔۔۔ لگتا ہے تنہائی سہتے سہتے بڈھا خبطی ہو گیا ہے۔" انہوں نے سر جھٹک کر ہنستے ہوئے فون رکھا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر کتاب اٹھالی۔ جو میرب پہ گزری تھی اس کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔

مگر وہ میرب کے لیے اس قدر پریشان کیوں تھا۔ شاید دور ہے نا' اس لیے اور یوں بھی بیٹیوں کے معاملے میں تو والدین کے دل ہمیشہ ہی غیر مطمئن رہتے ہیں۔ میری اجیہ جب رخصت ہو گی تو نہ جانے میرا کیا حال ہو گا؟ وہ مسکرائے مگر نم آنکھوں سے سوچ گئے۔ کتاب انہوں نے ایک مرتبہ پھر بند کر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے گڑیا' جب سے تو آئی ہے کچھ پریشان سی ہے' سب خیریت تو ہے نا؟" گل نے چائے کے کپ تپائی پر ٹکا کر خود بیڈ پر اجیہ کے نزدیک جگہ سنبھال لی۔

"نہیں امی۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔ نہ جانے کون کون سی سوچیں تھیں جو اس وقت ذہن میں چکرا رہی تھیں۔

"اچھا۔۔۔ تو نے پھر کیا سوچا آگے کے بارے میں۔"

گل اپنا کپ اٹھا کر دانستہ سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

"آگے کیا سوچنا امی۔۔۔ فی الحال ایسے ہی ملنا ٹھیک ہے۔ یوں بھی کچھ دنوں میں میری شادی ہو جائے گی۔

پھر مجھے ڈیڈ کا کوئی خوف نہیں ہوگا۔ میں آپ سے علی الاعلان ملا کروں گی۔" اس کی نگاہیں ہاتھ میں پکڑے سیل پر تھیں۔

دھڑ۔۔۔ دھڑ۔۔۔ دھڑام۔۔۔ گل ششدر نگاہوں سے اسے دیکھے گئی۔ اس کے ارادوں کی فلک بوس عمارت خود اس پر گر پڑی۔

"تو۔۔۔ تم۔۔۔ تمہاری شادی ہو رہی ہے مگر کس سے؟" اس نے کپ واپس رکھ کر بے یقینی و اضطراب سے استفسار کیا۔

"وہ۔" اجیہ نے نگاہیں فون اسکرین سے ہٹا کر اسے دیکھا۔ "میری فرینڈ ہے نتاشا۔ اس کا بھائی مجھ میں انٹرسٹڈ ہے۔ بہت ڈیشنگ ہے۔ اسٹیٹس میں اپنا بزنس کرتا ہے۔" اس کے تابناک چہرے پر شرم و حیا جھلک رہی تھی۔

"مگر تم نے کبھی بتایا نہیں۔" اس کی آواز سے گہرا صدمہ جھلکتا تھا۔

"امی۔۔۔ موقع ہی نہیں ملا مگر اسے آپ کے متعلق سب معلوم ہے۔"

"ک۔۔۔ک۔۔۔ کیا معلوم ہے۔" وہ ہکلانے لگی۔

"بھئی یہ ہی کہ آپ میری والدہ ہیں اور میں آپ سے ملتی رہتی ہوں۔" اجیہ نے گل کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے سرخوشی سے کہا۔

"مگر تمہیں اتنی جلدی کسی پہ اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"اتنی جلدی کہاں امی!" وہ اس کی بات پر پریشان ہو کر بازو ہٹا کر پرے کھسکی۔ "میں تقریباً چھ مہینے سے جانتی ہوں اسے۔ اس کی فیملی سے بھی واقف ہوں۔"

"چھ ماہ میں صرف کسی سے جان پہچان کی جا سکتی ہے۔ دوستی نہیں اور تم تو اعتبار کر بیٹھی ہو۔" وہ چبھتے لہجے میں بولی۔

"وہ ہے ہی ایسا کہ اعتبار کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اور پھر میں اس کی کس بات پر شک کروں؟ میں نے ان چھ ماہ میں اس سے بہت بار ملاقات کی ہے۔ اس نے کبھی کسی عامیانہ پن کا مظاہرہ نہیں کیا، مجھ سے بے جا فرمائش نہیں کی اور اب تو وہ مجھ سے سیدھا شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔" وہ اس کا بھرپور دفاع کر رہی تھی۔

"مرد کو پہچاننے کے لیے صرف یہ ہی باتیں کافی نہیں ہوتیں۔" گل نے جتانا چاہا۔

"سارے مردوں کا پتا نہیں امی، مگر میں آغا کو اچھی طرح پہچانتی ہوں اور میری پیاری امی۔۔۔ اس کی طرف سے دل میں خدشات مت لائیں۔ وہ بہت نائس ہے، میں بہت جلد اسے آپ سے ملوانے لے کر آؤں گی۔" وہ گل کے دونوں ہاتھ تھام کر لجاجت سے بولی۔

"اتنے سالوں بعد ملی ہو۔ ابھی تو دل کی پیاس بھی نہیں بجھی تھی۔ تم تو پھر دور جا رہی ہو۔" اس نے اجیہ کے ہاتھ جھٹک دیے اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے انداز پر اجیہ حقیقتاً "پریشان ہو گئی۔

"تو پھر میں کیا کروں؟" وہ یک دم ہی پریشان ہو کر بولی۔

"اسے شادی سے منع کر دو فی الحال۔۔۔" وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"وہ بالکل نہیں مانے گا۔" اس نے قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہیں اس کی اتنی پروا ہے اور اس بے بس و خالی دامن ماں کا خیال نہیں۔" وہ سسکی لے کر رو پڑی۔

"امی۔۔۔ امی۔۔۔" وہ عالم اضطراب میں یک دم اٹھ کر اس تک آئی اور اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"پلیز روئیں مت۔۔۔ میں کرتی ہوں کچھ۔۔۔" اجیہ نے چند اک آنسو اپنی پوروں میں سمیٹ لیے۔

"دیکھو میں تمہاری دشمن نہیں۔۔۔ تمہارے بھلے کے لیے ہی کہہ رہی ہوں اور یوں بھی تم کیا سمجھتی ہو کہ تمہارا باپ تمہیں پسند کی شادی کرنے دے گا، ہرگز نہیں۔۔۔ وہ دقیانوسی خیالات کا حامل شخص تمہیں زندہ گاڑ دینے کو ترجیح دے گا۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔" وہ زہریلے لہجے میں بولی۔

"اس بات کا خدشہ تو مجھے بھی ہے' وہ اگر کچھ نہ بھی کہیں مگر سائر بھائی۔" اس کی آنکھوں میں سائر کا میرب کے ساتھ روا رکھا گیا سلوک گھوم گیا۔

"اسی لیے کہہ رہی ہوں۔۔۔ فی الحال اس قصے کو چھوڑو۔۔۔ یہ نہ ہو کہ اس کی ضد میں آکر تمہاری شادی فٹافٹ یہ لوگ کہیں طے کر دیں۔ ہمارا معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ عورت چاہے جتنی بھی محفوظ ہو' بالآخر کمزور پڑ ہی جاتی ہے ان معاملات میں۔" وہ گہرے لہجے میں بولی۔

"تو پھر میں کیا کروں۔" اجیہ یک دم ہی ڈھیلی پڑ کر بیڈ پر ڈھے سی گئی۔

"فی الحال اس بات کو رہنے دو اور اپنی پڑھائی مکمل کرو۔ اور دیکھو تمہاری باتوں میں ہماری چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی' میں گرم کر کے لاتی ہوں۔" اس نے ٹرے اٹھائی۔

"آپ بیٹھیں' میں چلوں گی۔" وہ اپنا ہینڈ بیگ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا بیٹی۔۔۔ فی امان اللہ۔۔۔" وہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔ ڈھیلے ڈھالے قدم اٹھاتی اجیہ کوریڈور میں چلتی چلی جا رہی تھی۔ دروازہ بند کر کے گل نے ہذیانی قہقہہ لگایا۔

"میں اتنی جلدی ہار نہیں مانوں گی۔" اس نے اپنا عزم دہرایا۔ اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

"سچ بڑا ظلم ہوا تمہارے ساتھ۔" پومی اپنے ٹائٹ پرم بالوں کو جھٹکا دے کر ازحد تاسف سے بولیں۔ وہ اس وقت چندا کے گھر کے لاؤنج کے صوفے پر براجمان تھیں۔ سامنے کے صوفے پر چندا پیر اوپر کیے بیٹھی تھی' گود میں کٹی ناشپاتیوں کی پلیٹ تھی اور زبان پر اپنے ساتھ بیتے واقعات۔ پومی اور چندا کی دوستی روز افزوں ترقی کر رہی تھی۔

"بس نصیب نصیب کی بات ہے۔" وہ ملول ہوئی۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" پومی نے سیدھا ہاتھ نفی میں ہلایا۔ "انسان چاہے تو ذرا سی کوشش سے نصیب بدل بھی سکتا ہے۔"

"مجھے اب ان باتوں پر یقین نہیں رہا۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"نہیں چندا نہیں۔" پومی تڑپ کر اس کے نزدیک آ بیٹھیں۔ "میں تمہیں یوں تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ تم ذرا فارغ ہو جاؤ' میں نے بہت کچھ سوچ رکھا ہے تمہارے لیے۔ آخر دوست کس لیے ہوتے ہیں؟" اس نے بڑے دلار سے چندا کی ٹھوڑی چھو کر کہا۔

"بی بی جی کچھ کھانے کا جی چاہ رہا ہے تو لے آؤں۔" تب ہی بشیرن نے آکر بڑے احترام و تابع داری سے پوچھا کہ یہ جمیل کا حکم تھا کہ چندا کا بے حد خیال رکھنا ہے۔

"یہ تم کیا ہر وقت میرے سر پر سوار رہتی ہو۔ کھلا کھلا کر مارنا ہے کیا مجھے۔ ویسے ہی میرا وزن ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ پوری ڈھول بن گئی ہوں میں۔ نہ جانے واپس شیپ میں آنے کے لیے کتنی مشقت کرنی پڑے گی۔" وہ چیخ اٹھی۔

"مگر بی بی اس حالت میں تو کھانا پینا اپنی صحت کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔" وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

"بکواس بند کرو اپنی' آئی بڑی مجھے لیکچر دینے والی۔ اب جاؤ یہاں سے۔" اس نے جھڑک کر کہا۔ بشیرن ضبط کرتی پلٹ گئی مگر دل میں اسے ناشکری کے لقب سے پکارنا نہیں بھولی تھی۔

"دیکھا آپ نے۔" اس نے پومی آنٹی کو شکایتی انداز سے دیکھا۔ "کیسے جمی نے جگہ جگہ میری جاسوسی کرنے کے لیے لوگ اکٹھا کر رکھے ہیں۔ مجھے سانس لینے کی آزادی دے رکھی ہے اس انسان نے اس کی بڑی مہربانی ہے۔" اس نے گود میں رکھی پلیٹ سامنے ٹیبل پر پٹخ دی۔

"چلو جہاں اتنا برداشت کیا ہے چند روز اور سہی۔" انہوں نے دلاسا دیا۔" ویسے آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوگا، مجھے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔" وہ پر سوچ لہجے میں بولی۔

"شاباش۔۔۔ یہ ہوئی نا بات۔" پوپی خوش ہو گئیں۔

"چلو اب اپنا موڈ ٹھیک کرلو، ٹی وی پہ گانے دیکھتے ہیں۔"

"ہوں۔۔۔"

☼ ☼ ☼

"ماریہ فون اٹھاؤ۔" وہ اور سعدیہ بیگم ابھی ابھی بازار سے کچھ کپڑوں وغیرہ کی خریداری کرکے لوٹی تھیں۔ لاؤنج میں ماریہ سامان کے ساتھ ڈھیر تھی جبکہ سعدیہ فریش ہونے چلی گئی تھیں اور جاتے جاتے اسے فون ریسیو کرنے کی تلقین کرتی گئیں۔

"اُف۔۔۔ کیا ہے بھئی۔۔۔" ماریہ کسلمندی سے اٹھی۔

"ہیلو۔۔۔"

"ہیلو بیٹی ماریہ بات کر رہی ہو؟" ابراہیم صاحب تھے۔

"وہ۔۔۔ السلام علیکم انکل۔۔۔ کیسے ہیں۔ کیا حال ہے آپ کا، عاشر۔۔۔ کیسا ہے؟" اس نے نان اسٹاپ سوالات کرنے شروع کردیے۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو، خوش رہو۔ تم سب کیسے ہو۔"

"الحمدللہ سب خیر خیریت ہے۔ ڈیڈی تو اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔" وہ یہی سمجھی کہ انہوں نے اس کے ڈیڈی سے بات کرنے کے لیے فون کیا ہوگا۔

"آ۔۔۔ اچھا۔۔۔ بھابھی سے بات کرواسکو گی؟"

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ ہولڈ کریں۔" دوسری طرف وہ بات تو سنو کہتے رہ گئے مگر وہ ریسیو کان سے پرے کیے اونچی آواز میں چیخ کر سعدیہ کو پکارنے لگی۔

"کیا ہو گیا؟" سعدیہ اس کے چیخنے پر برہمی سے بولتی کمرے سے نکلیں۔

"ابراہیم انکل کا فون ہے، آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔" اس نے کہہ کر فون انہیں تھمادیا اور خود دوبارہ صوفے پر گر گئی۔

"السلام علیکم بھائی صاحب۔۔۔ کیا حال ہے؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ بس بھابھی لگتا ہے زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔" انہوں نے یاسیت سے کہا۔

"ارے اتنے افسردہ کیوں ہیں آپ؟ عاشر بھی عجیب ہے ویسے۔۔۔ جب وہاں آپ نے تنہا ہی رہنا تھا تو بھلا یہاں سے لے جانے کی کیا تک تھی۔ یہاں کم از کم ہم لوگ تو تھے آپ کے پاس۔" وہ بولیں۔

"بس بھابھی، وہ بھی اپنی جگہ درست ہے۔ پہلے کی بات اور تھی، میرب بیٹی چوبیس گھنٹے میرے ساتھ رہتی تھی۔ اگر میں اب وہاں اکیلا رہتا تو اس کا ذہن بھی اٹکا رہتا۔ اب کم از کم اس کے سامنے تو ہوں۔" انہوں نے مدافعانہ انداز اختیار کیا۔ سعدیہ بے ساختہ مسکرادیں۔

"اچھا خیر۔۔۔ اور سب خیریت ہے۔"

"بھابھی آپ سے اک بات پوچھنی تھی۔"

"ارے تو بلا جھجک پوچھیے۔" وہ ان کے انداز پر حیران ہوئیں کہ اتنے تکلفات ان لوگوں کے مابین بہرحال نہیں تھے۔

"آپ میرب کے گھر آتی جاتی ہیں؟"

"ایک دوبار تو گئی ہوں مگر زیادہ جانا میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس کی نئی شادی ہوئی تھی، ایسے میں اسے وہاں ایڈجسٹ کرنے میں مسئلہ ہو جاتا۔" انہوں نے محتاط جواب دیا۔ میرب کے تذکرے پر ماریہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

"رہنے تو آتی ہوگی میرو؟"

"نہیں۔۔۔ آج تک تو نہیں آئی، ہم نے بھی نہیں بلایا۔"

"مگر کیوں بھابھی۔۔۔" انہوں نے پھر سے پوچھا۔

"اب آپ سے کیا کہوں۔۔۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ شاید سائرہ یہ بات پسند نہیں کرتی۔" وہ صاف

گوئی سے بولیں۔ کچھ دیر وہ چپ سے ہو گئے۔
"بھابھی کیا اس کے گھر میں کوئی مسئلہ ہے۔ کیا وہ خدانخواستہ خوش نہیں ہے وہاں۔"
"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" انہوں نے قطعی لہجے میں کہا۔ "ماریہ تو آتی جاتی رہتی ہے اس کے ہاں' اگر ایسا کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ مجھے ضرور بتاتی۔"
"اچھا۔۔۔ ماریہ بیٹی جاتی ہے وہاں۔۔۔" وہ کچھ اطمینان سے بولے۔ "دراصل آج صبح صبح اس نے مجھے نیٹ پر بلایا اور بنا کچھ کہے بہت دیر تک بلک بلک کر روتی رہی بھابھی! آپ تو جانتی ہیں ان دونوں بچوں کو میں نے کتنے پیار اور توجہ سے پالا ہے۔ ان کی ماں کے گزر جانے کے بعد۔" وہ آبدیدہ سے ہو گئے۔ "ان کی آنکھ میں آیا آنسو میرے دل پر لاوا بن کر گرتا ہے۔ میں صبح سے بہت بے چین اور بے آرام ہوں' اس نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا مگر میں سمجھ گیا ہوں کہ اس کے آنسوؤں کا کچھ نہ کچھ سبب ضرور ہے' بھابھی! آپ نے تو بالکل ایک ماں کی طرح اس کا خیال رکھا ہے۔ آپ اس سے ملاقات کریں شاید اپنے دل کی بات وہ آپ سے کر سکے۔"
"آپ بالکل فکر نہ کریں' میں آج ہی جاتی ہوں اس کی طرف۔ آپ کی یہ بات سن کر تو مجھے بھی پریشانی ہو گئی ہے۔ تسلی رکھیں' ان شاء اللہ سب ٹھیک ہی ہو گا۔" انہوں نے تسلی آمیز انداز اختیار کیا۔
"بہت ممنون رہوں گا میں آپ کا۔"
"ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں آپ۔ میمو میری بھی تو بیٹی ہے۔" وہ خفا ہوئیں۔
"اچھا اللہ حافظ۔"
"خدا حافظ۔" سعدیہ نے کہہ کر فون رکھ دیا اور متفکر سی ماریہ کے برابر آ بیٹھیں۔
"کیا بات ہے امی؟" ماریہ نے تشویش سے پوچھا۔
"بھائی صاحب کا فون تھا۔ میمو نے انہیں صبح فون کیا اور بہت رو رہی تھی۔"
"اچھا مگر کیوں۔" وہ سیدھی ہو بیٹھی۔
"پتا نہیں' ماریہ! تم تو اس کے پاس جاتی رہی ہو۔ اس کی سہیلی ہو تم مجھے بتاؤ کیا اسے کوئی مسئلہ ہے وہاں؟" انہوں نے یک دم پوچھا۔ ماریہ گڑبڑا سی گئی۔
"نن۔۔۔ نہیں تو۔۔۔" اسے میمو کا بھرم عزیز تھا۔
"ہوں۔۔۔" سعدیہ نے پرسوچ ہنکارا بھرا۔ "شام میں چلتے ہیں پھر اس کی طرف۔"
"آپ رہنے دیں امی میں ہو آتی ہوں۔" ماریہ نے انہیں روکنا چاہا۔
"نہیں ماریہ۔ بھائی صاحب نے مجھے جانے کے لیے کہا ہے اور پھر کچھ تو فرض میرا بھی بنتا ہے کہ میں اس کا خیال رکھوں۔ سامان سمیٹو اور کچھ دیر آرام کرلو تم بھی۔ سعد آجائے تو چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"جی امی۔۔۔" اس کے حلق سے مری مری سی آواز برآمد ہوئی۔ وہ نہیں چاہ رہی تھی کہ سعدیہ وہاں جائیں کہ اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔
"میں بھی تو اتنے دن سے اسے فون نہ کر سکی' نہ جانے کیا بات ہو گئی ہے۔" وہ بھی گہرے تفکر میں ڈوب گئی۔

☆ ☆ ☆

"مبارک ہو آپ کو۔ بیٹا ہوا ہے۔" نرس نے باہر آکر مسرت سے اطلاع دی۔ جمیل پر تو گویا شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ تسبیح پڑھتی بی بی جان اور مانو کی خوشی بھی دیدنی تھی۔
"بہت مبارک ہو بیٹا۔" انہوں نے جمیل کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔
"آپ کو بھی بی بی جان۔" وہ خوشی سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔
"خوشی ہمارے ساتھ نہیں بانٹیں گے۔" اسی نرس نے پوچھا۔
"کیوں نہیں۔ یہ لیں آپ کا حصہ۔" اس نے جھٹ ہزار کا نوٹ پاکٹ سے نکال کر اسے تھمایا۔
نرس جو سو یا دو سو کے آسرے میں تھی اکٹھا ہزار روپیہ

دیکھ کر اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ پھر جلدی سے اسے مٹھی میں بھینچ کر بولی۔

"کچھ دیر بعد آپ کی مسز کو روم میں شفٹ کر دیا جائے گا۔ آپ لوگ آکر ملاقات کر سکتے ہیں۔" اور مڑ کر چل دی۔

"جاؤ بیٹا پہلے شکرانے کے نوافل ادا کر لو۔" بی بی نے یاد دلایا۔

"جی بی بی جان۔" وہ سعادت مندی سے کہہ کر نماز کے لیے چلا گیا۔

"یا اللہ۔ میری چندا کو عقل سلیم عطا فرما۔ تیری عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اسے صحت دے، تندرستی دے۔ دنیا و آخرت کی ہر خوشی و نعمت سے نواز دے۔ آمین ثم آمین۔"

ماں کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ بلکہ دعا تو کوئی بھی مانگے، کبھی رد نہیں ہوتی۔ بی بی جان کی دعاؤں کو جلد یا بدیر مقبول ہونا ہی تھا۔ مگر انسان کا کیا کیا جائے۔ اس کی جلد بازی کا کیا کیا جائے۔ دعا اور عمل سے تقدیر بدلتی ہے۔ مگر کبھی کبھی آپ کے اعمال دعا پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا بوجھ دعا کو اوپر جانے ہی نہیں دیتا۔ زمین بوس کر دیتا ہے۔

☆ ☆ ☆

یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا جب سعدیہ بیگم اور ماریہ سعد کے ساتھ میرب کے گھر میں داخل ہوئے۔ عجیب سے وحشت ناک سناٹے نے ان کا استقبال کیا۔ لالی نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور ان کی آمد کی اطلاع دینے کے لیے میرو کے کمرے پہ دستک دی۔ وہ صبح سے تین چار مرتبہ اس کا دروازہ کھٹکھٹا چکی تھی۔ وقار صاحب تو صبح ہی سے اپنے کسی دیرینہ دوست کی طرف نکلے ہوئے تھے۔ اجیہ کو ویسے بھی گھریلو معاملات سے کچھ خاص سروکار نہ تھا۔ رہ گئی لالی تو وہ دروازہ کھٹکھٹا تو ضرور دیتی تھی۔ مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ بغیر اجازت ملے وہ مالکان کے کمروں میں داخل ہو سکے۔ اسے تشویش تو ضرور تھی مگر ادھر ادھر کے کاموں کی مصروفیت نے اس کی تشویش بھی بھلا دی تھی۔ ابھی بھی دروازہ پہ دستک دینے پر جواب ندارد۔ اس کی تشویش پھر سے جاگ اٹھی۔ اور اس نے ڈرائنگ روم میں جوس کے ساتھ یہ اطلاع بھی پہنچا دی۔

"کیا؟" ماریہ اپنی جگہ سے بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی، "صبح سے میرو کمرے میں ہے اور گھر میں کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ کمرے میں جھانک آتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی۔" وہ غصے میں چیخی۔ اس کی بات پر سعدیہ دہل گئیں۔

"کیا بات کر رہی ہو ماریہ، جاؤ دیکھو اندر جا کر تم۔" انہیں صورت حال کی سنگینی کا اندازہ صحیح معنوں میں اب جا کر ہوا تھا۔ ماریہ تیزی سے لالی کے پیچھے گئی۔

"آپ پریشان نہ ہوں امی جان، ان شاء اللہ میرو ٹھیک ہوگی۔" سعد خود فکر مند تھا مگر انہیں دلاسہ دیتا رہا۔ ماریہ نے بری طرح دروازہ کھٹکھٹایا مگر جواب نہیں ملا۔ اس نے دروازے کے ہینڈل کو گھمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ کمرے میں گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

"میرو۔ میرو۔ کہاں ہو تم۔" وہ متوحش ہو کر چلائی۔ لالی نے ٹٹول کر لائٹ جلائی۔ میرو آڑی ترچھی رات والے لباس میں بیڈ پر پڑی ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔

"میرو!" اس کی حالت دیکھ کر ماریہ رو دی۔ "میرو ہوش کرو۔" وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا گال تھپتھپانے لگی۔

"پانی دو۔" اس نے لالی سے کہا۔ اس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر لالی بھی حواس باختہ ہو گئی تھی۔

"یہ لیں۔" اس نے سائیڈ ٹیبل سے گلاس اٹھا کر اسے تھمایا۔ اس نے میرو کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، مگر نتیجہ صفر رہا۔

"جاؤ سعد سے کہو گاڑی نکالے۔ ہمیں اسے اسپتال لے جانا ہو گا۔" اس نے اپنے آنسو پونچھ کر لالی سے کہا۔

لالی تیزی سے پلٹ کر باہر نکلی اور ڈرائنگ روم میں جا کر سعد سے گاڑی نکالنے کو کہا۔

"خدا خیر کرے... کیا معاملہ ہے۔" سعدیہ بیگم بھی ۔۔۔ پریشانی سے کھڑی ہو گئیں۔

"وہ جی' بڑی بی بی بے ہوش پڑی ہیں۔ ہوش میں نہیں آ رہی ہیں۔" اس نے فکر مندی سے بتایا۔

"سب گھر والے کہاں ہیں؟" انہوں نے سلگتے ہوئے پوچھا۔

"صاحب تو صبح سے اپنے کسی دوست کی طرف گئے ہیں۔ چھوٹے صاحب ابھی آفس سے نہیں لوٹے اور اجیہ بی بی جی اپنی دوست کے گھر گئی ہوئی ہیں۔" اس نے مؤدب لہجے میں بتایا۔

"نہ جانے کیسے بے پروا لوگ ہیں۔ اب بتاؤ' میں ابراہیم بھائی کو کیا جواب دوں گی۔" ان کا طیش اب شرمندگی میں ڈھل گیا۔

"اوہ امی... اتنا کیوں پریشان ہو رہی ہیں' ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو گا۔" سعد خود بھی بے حد فکر مند ہو گیا تھا تاہم خود پر قابو پا کر انہیں تسلی دی پھر لالی سے مخاطب ہوا۔

"آپ اور ماریہ میرب کو گاڑی تک لائیے۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکلا۔ وہ واپس میرب کے کمرے میں آئی۔ ماریہ اس کی ہتھیلیاں سہلا رہی تھی۔

"وہ جی آپ کے بھائی کہہ رہے ہیں کہ میرب بی بی کو گاڑی تک اٹھا کر لے آئیں۔" ماریہ پریشان ہو گئی گو کہ میرب دھان پان سی تھی، مگر ماریہ بھی آخر لڑکی تھی اور اس کے لیے میرب کو ۔۔۔ اٹھا کر گاڑی تک لے جانا ہرگز آسان نہ تھا اور سعد کا اسے لے جانا انتہائی نامناسب تھا سو اس نے ہمت کی لالی نے بھی بھرپور مدد کی۔ یوں اسے پورٹیکو میں کھڑی گاڑی میں ڈالا گیا۔ ماریہ اس کے ساتھ ہی پیچھے بیٹھ گئی جبکہ شدید پریشانی میں گھری سعدیہ نے آگے بیٹھتے ہوئے لالی سے بے حد غصے سے کہا۔

"ہم میرو کو اسپتال لے جا رہے ہیں۔ جب تمہارے صاحب لوگ لوٹ آئیں تو انہیں بتا دینا اور یہ بھی کہہ دینا کہ اگر اسے کچھ ہو گیا تو ان کے لیے اچھا نہیں ہو گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے دروازہ دھاڑ سے بند کیا۔ لالی نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

بی بی سوا مہینے تک چندا کے پاس رہ کر گھر لوٹ گئی تھیں۔ ان دنوں زیادہ تر سونو ان کے پاس ہی رہا۔ انہوں نے ہی اسے سنبھالا۔ چندا کی بے آرامی کے خیال سے راتوں کو خود جاگیں بھی۔ اس عمر میں اس مشقت نے انہیں تھکا ڈالا تھا۔ اور وہ خود بخار میں مبتلا ہو گئیں۔ وہ تو چاہتی تھیں کہ چندا یہ دن اپنے میکے میں گزارے مگر چندا ہی کسی طور راضی نہ ہوئی کہ اسے یہاں ہر طرح کی سہولت میسر تھی۔ بات ٹھیک بھی تھی اسی لیے بی بی جان مان گئیں اور اس کا خیال کرتے ہوئے خود یہاں رہ کر بچے اور اس کی دیکھ بھال کرتی رہیں۔ اسے مقوی غذائیں بنا کر دیتیں، مگر وہ کھانے سے صاف انکاری تھی۔

"مجھے نہیں کھانا یہ سب' میرا ویٹ مزید بڑھ جائے گا۔" وہ جھلا جاتی۔

"نہیں بڑھتا وزن' تم کھاؤ تو۔ تمہارے لیے یہ ضروری ہے۔" وہ پیار سے پچکارتیں۔

"اوفوہ... نہیں کھانا' کہہ دیا نا۔" وہ چیخ اٹھتی تو بی بی

اپنا سامنہ لے کر رہ جاتیں۔
جمیل ان کی موجودگی سے مطمئن تھا۔ اب جب وہ چلی گئی تھیں تو اس نے چندا کو کھلانے پلانے اس کا خیال رکھنے کی ذمہ داری خود پر عائد محسوس کی۔
"چندا! یخنی دن میں دو بار پیا کرو۔"
"بشیرن سے کہو، تمہیں فروٹ کاٹ کر دے۔"
"چندا! رات کو بھی تم نے دودھ کا گلاس یونہی پڑا رہنے دیا۔ اپنی صحت کی طرف سے اتنی بے پروائی اچھی نہیں۔ آخر کو تم سونو کو فیڈ بھی کرواتی ہو، ایسے تو تم بیمار پڑ جاؤ گی۔" فکر مندی سے لبریز محبت سے چور یہ جملے چندا کو تیر کی طرح لگتے۔
"خدا کے واسطے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" ایک روز اس نے تنگ آکر ہاتھ جوڑے۔ "میری بھی کوئی زندگی ہے۔ پسند ہے کیوں ہر وقت تلوار کی طرح میرے سر پر لٹکتے رہتے ہیں۔" وہ اتنی درشتی سے بولی کہ جمیل تو چپ کا چپ رہ گیا۔ پھر اسے کھانے پینے کی تاکید کرنے میں محتاط بھی ہو گیا، مگر کب تک؟
سونو کا سینہ کچھ روز سے جکڑا ہوا سا تھا۔ اس پر مستزاد چندا جمیل کو آئس کریم کھاتی ہوئی دکھائی دی۔
"یہ تم کیا کھا رہی ہو؟" وہ قدرے برہمی سے بولا۔
"اسے آئس کریم کہتے ہیں۔" اس نے ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے جواب دیا۔
"تمہیں معلوم ہے کہ سونو بیمار ہے؟" وہ ترشی سے بولا۔
"وہ بیمار ہے میں تو نہیں۔" اس نے ایک بڑا سا چمچہ بھر کر منہ میں ڈالا۔
"مگر وہ بیمار ہو سکتا ہے تمہاری ان حرکتوں سے۔ تم کیا جانتی نہیں کہ وہ مدر فیڈ پر ہے۔" وہ تپ کر بولا۔
اس نے اطمینان سے خالی کپ سامنے ٹیبل پر رکھا اور بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر گویا ہوئی۔
"میں جانور نہیں ہوں جمیل! آج کے بعد وہ پاؤڈر ملک پیے گا۔"
"مگر اس کی صحت...!" اس کی بات چندا نے تیزی سے اچک لی۔
"اور میری صحت؟ تمہیں یہ نظر نہیں آرہی۔ کیا سے کیا ہو گئی ہوں میں۔ میرا فگر دیکھو کیسا بگڑ گیا ہے۔ چہرہ مرجھا کر کالا ہو چکا ہے۔ آنکھوں کے نیچے دو دو انچ کے حلقے بن گئے ہیں۔ بال ہیں تو وہ جھڑ جھڑ کر جھاڑو بن چکے ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔
"سب تمہاری غلطی ہے۔" جمیل نے صاف گوئی سے کہا۔ "کون سی نعمت ہے جو تمہیں میسر نہیں مگر تم ہو کہ کھانے کا نام نہیں لیتیں۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔"
"ہاں... ہاں سب میری غلطی ہے۔" وہ جاہلوں کی طرح چیخی۔
"بالکل ہے۔" وہ بے لچک انداز میں بولا۔ "اور اب تم کہہ رہی ہو کہ ہمارا سونو ڈبے کا دودھ پیے گا۔ چار ماہ کا بچہ ہے وہ اس کی صحت بالکل برباد ہو کر رہ جائے گی۔"
"پھر اس کی صحت۔" وہ چیخ ہی تو گئی۔ "تمہیں اب میری کچھ پروا ہے کہ نہیں۔"
"ہے کیوں نہیں ہے۔" وہ یک لخت نرم پڑ گیا۔ "یہ سب میں تمہارے بھلے ہی کے لیے تو کہہ رہا ہوں۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔
"میرے بھلے کے لیے یا سونو کے بھلے کے لیے۔" اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔
"ایک ہی بات ہے۔"
"ایک ہی بات نہیں ہے۔" وہ زور دے کر بولی۔ "بس میں نے کہہ دیا میں آج کے بعد اسے فیڈ نہیں کرواؤں گی۔" وہ قطعیت سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"جیسی تمہاری مرضی۔" اس نے تھک کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا تھا۔
"ہونہہ!" وہ نخوت سے سر جھٹک کر لاؤنج عبور کر گئی۔
کتنا بچپنا بھرا ہے اس کے اندر۔ بات سمجھتی ہی نہیں۔ وہ سوچ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

سائر اور وقار آگے پیچھے ہی گھر میں داخل ہوئے

تھے۔ ابھی سائر کے قدم سیڑھیوں کی جانب بڑھے ہی تھے کہ اسے لالی کی آواز سنائی دی جو وقار کو میرب کے متعلق مطلع کر رہی تھی۔

"صاحب جی! بی بی اپنے کمرے میں بے ہوش پڑی تھیں۔ ان کے رشتے دار آئے تھے' وہ ہی کمرے میں گئے تو معلوم پڑا۔"

"کیا بات کر رہی ہو۔" وقار جو اطمینان سے صوفے پر بیٹھ رہے تھے گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ "کہاں ہے میرب بیٹی؟" انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

"وہ جی۔۔۔ ان کے رشتے دار انہیں گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے گئے ہیں۔" اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے بتایا۔

"صبح جب میں گیا تب تو سب ٹھیک تھا۔ ناشتا کیا تھا اس نے؟"

"وہ جی۔۔۔ بی بی تو آج اپنے کمرے سے نکلی ہی نہیں سارا دن۔" اس نے سر جھکا کر مجرموں کی طرح بتایا۔

"کیا؟" وہ بے ساختہ چیخ اٹھے۔ "اور تم؟ تم نے بھی انہیں بلانے کی زحمت محسوس نہیں کی؟" وہ طنزیہ بولے۔

"تین چار مرتبہ دروازہ بجایا تھا جی میں نے' مگر ان کا کوئی جواب نہیں ملا تو میں سمجھی وہ سو رہی ہوں گی۔"

"شاباش ہے تمہاری عقل کو' اور اجیہ۔۔۔ اجیہ کہاں تھی؟ اسے بھی بھابھی کا خیال نہیں آیا۔" وہ سخت طیش میں آکر بولے۔

"وہ تو جی۔۔۔ کالج سے آکر سو گئی تھیں۔ شام میں اپنی سہیلی کی طرف چلی گئیں اور ابھی تک نہیں لوٹی ہیں۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں بتایا۔

"اجیہ سہیلی کی طرف چلی گئی۔۔۔! بنا بتائے۔۔۔ بنا اجازت کے؟"

وہ اچھنبے سے بولے' اپنی پیشانی پریشانی سے رگڑتے ہوئے سائر کو پکارا جو بے تاثر انداز میں کھڑا تھا۔ ان کے پکارنے پر ان کے پاس آیا۔

"تم نے بھی میرب کو فون نہیں کیا؟" انہوں نے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا۔

"میں تو روز ہی اسے فون نہیں کرتا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں بتایا۔

"تمہاری بیوی بے ہوش ہے' اسپتال میں پڑی ہے۔" انہوں نے جیسے اس کے جذبات جھنجھوڑنے چاہے۔

"اسے گاڑی میں کس نے ڈالا تھا؟ اس کے کزن سعد نے؟" سائر نے جوابا لالی کی طرف دیکھ کر کہا' اس پر وقار نے تحیر سے اسے دیکھا۔

"نہیں جی۔۔۔ میں نے اور ان کی کزن نے۔" لالی سرعت سے بولی۔

"یہ کیا فضول کی باتوں میں پڑ گئے ہو۔ فون کرو انہیں۔ پتا کرو' کہاں ہیں وہ؟" انہوں نے جھڑکا۔

سائر دانت پر دانت جمائے اپنا سیل نکال کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ نمبر ماریہ کا تھا' مگر ریسیو سعد نے کیا۔ ان سے اسپتال کا پتا معلوم کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

"چلو' جلدی چلو۔۔۔ نہ جانے کیا معاملہ ہے۔ بس اللہ رحم کرے۔" وہ متفکر سے تھے مگر سائر کے چہرے پر تفکر' پریشانی' پشیمانی کچھ بھی نہ تھا اور یہی چیز وقار کو حیران کر رہی تھی' بے حد حیران۔۔۔

☆ ☆ ☆

چندا کے بے حد اصرار پر جمیل کو سونو کے لیے کل وقتی آیا کا بندوبست کرتے ہی بنی۔ زینت بی بی ادھیڑ عمر کی بیوہ خاتون تھیں۔ اولاد کوئی تھی نہیں۔ صاف ستھری اور معقول تھیں۔ انہوں نے آتے ہی سونو کو بڑے اچھے طریقے سے سنبھال لیا۔ زینت بی بی کیا آئیں چندا کے پیروں سے گویا کوئی بیڑی کھلی تھی۔

یومی آنٹی کا اپنا پارلر اور جم بھی تھا۔ اب چندا کا بیشتر وقت وہیں پر گزرنے لگا۔ چند ہی دنوں میں وہ پہلے سے زیادہ اسمارٹ' جاذب نظر اور خوب صورت ہو گئی۔ اس وقت وہ بڑی مطمئن و مسرور سی ان کے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں بیٹھی اورنج جوس کے گھونٹ

لے رہی تھی۔ تب ہی باتوں کے دوران پومی آنٹی نے کہا۔

"تو پھر کیا سوچا ہے تم نے آگے کے بارے میں۔"

"کیا مطلب؟" وہ یک دم چونک سی گئی۔ "کیا سوچنا ہے مجھے۔" وہ الٹا ان ہی سے استفسار کرنے لگی۔

"بھئی! وہ تمہارے خواب 'تمہاری تمنائیں؟ وہ سب کیا ہوئیں؟" انہوں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے گویا اس کا ہی کوئی درد اسے یاد دلایا تھا۔ اب چندا اور ان کی اتنی "دوستی" تو ہو ہی چکی تھی کہ دونوں ہی نے ایک دوسرے سے اپنے دل کی باتیں شیئر کرلی تھیں۔ اپنے ساتھ ہوئی "زیادتیوں" پر ایک دوسرے سے ہمدردی بھی وصول کرچکی تھیں۔

"اب ان باتوں کا تذکرہ کرنے سے کیا فائدہ۔" اس نے چڑ کر گلاس ٹیبل پر پٹخا۔

"بھئی... میں تو اتنا جانتی ہوں کہ اپنے خوابوں کو پانے کی کوئی عمر نہیں ہوتی اور جو لوگ کوشش کرتے ہیں بالآخر اپنی منزل پا ہی لیتے ہیں۔" انہوں نے اکسایا۔

"مگر کیسے پومی آنٹی" آپ کو میری مجبوریوں کا پتا تو ہے۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"مجبوری وجبوری کچھ نہیں ہوتی ڈیئر یہ سب کم ہمت 'بزدلوں کی باتیں ہیں۔ نیا آسمان تمہارے سامنے ہے' آگے بڑھو اڑان بھرو بھلا آزاد پنچھی کو بھی کوئی قید کرسکا ہے؟" انہیں نے ایک گہری ستائشی نگاہ اس کے ہیرے جیسے چمکتے چہرے کو دیکھ کر کہا۔

"مگر کیسے ممکن ہے یہ اب؟ میں شادی شدہ ہوں۔ میرا ایک بچہ ہے۔" وہ کڑوے لہجے میں بڑبڑائی۔

"مگر یہ بات تو صرف تم جانتی ہو نا۔ مارکیٹ میں کون بتائے گا؟" وہ معنی خیزی سے دھیمے سے ہنسیں۔ اب کی مرتبہ چندا کچھ نہیں بولی' بس نا سمجھی مگر دلچسپی سے انہیں دیکھے گئی۔

"کیوں ٹھیک ہے نا؟" وہ تصدیق چاہتے ہوئے بولیں۔

"خاک ٹھیک ہے... جمیل کبھی نہیں مانے گا۔"

وہ جھنجلائی۔ ہاں اور نا کے درمیان والی کیفیت۔

"نہ مانے... تمہیں بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔" وہ بے پروائی سے بولیں۔ "ویسے بھی اس نے کون سا تمہیں سکھی رکھا ہوا ہے۔ ہنی مون تک پہ تو تمہیں لے کر نہیں گیا۔ کپڑے دیکھو اپنے... صاف لگتا ہے جیسے کہ کسی عام سی مارکیٹ سے خریدے ہوں۔ ہیرے کی ایک انگوٹھی تک تو ہے نہیں تمہارے پاس۔ آخر اس نے تمہیں دیا ہی کیا ہے۔ اوپر سے پابندیاں ایسے لگاتا ہے تم پر گویا تمہیں کسی محل کی ملکہ بنا رکھا ہو... توبہ۔" انہوں نے تیزی سے نفی میں سر ہلا کر اسے اس کی زندگی کا ایسا آئینہ دکھایا جس میں وہ اپنی کربناک تصویر دیکھ کر گنگ رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"ذہنی تناؤ اور نقاہت کی وجہ سے پیشنٹ بے ہوش ہے ایسی کوئی فکر کی بات نہیں۔ انہیں ڈرپ لگادی گئی ہے۔ کچھ دیر میں انہیں ہوش آجائے گا تو دوبارہ چیک اپ کرکے دوائیاں تجویز کی جاسکیں گی تب تک آپ لوگ ریلیکس کریں۔" ڈاکٹر اپنے مخصوص لہجے میں کہہ کر پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے انہیں نواز کر اپنے روم کی طرف جاچکی تھی۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" سعدیہ بیگم کے منہ سے بے ساختہ ہی شکر کا کلمہ نکلا اور وہ لابی میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھ گئیں۔

"جی ہاں! شکر ہے اللہ کا کہ اس کی جان بچ گئی ورنہ سائرہ بھائی نے تو اسے مارنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔" ماریہ تند لہجے میں چبا چبا کر بے ساختہ کہہ گئی۔ کیا کرتی' وہ پچھلے ایک گھنٹے جس شدید ذہنی پریشانی کا شکار رہی تھی وہی جانتی تھی' پھر فکر مندی کے ساتھ ساتھ اسے ہلکا سا یقین بھی تھا کہ ہو نہ ہو میرو کی اس حالت کا تعلق براہ راست سائرہ ہی سے ہوسکتا ہے۔

"کیا اول فول بک رہی ہو۔" سعدیہ نے یک دم سر اٹھا کر اسے بے یقینی سے دیکھا۔

"جی ہاں امی! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ سائر بھائی نے اس کی زندگی جہنم بنا رکھی ہے۔ وہ بے حد شکی مزاج انسان ہیں۔ ہم سے ملنے، ہمارے گھر آنے تک کی پابندی لگا رکھی ہے انہوں نے اس پر۔ اس کا ہر عمل، اس کا کردار، سب کچھ مشکوک ہے ان کی نظر میں۔ جب سے شادی ہوئی ہے وہ کسی تلوار کی مانند لٹکے رہتے ہیں اس کے سر پر۔ ہو نہ ہو اس کی اس حالت کے ذمے دار بھی وہی ہیں۔" وہ یقین سے بولی۔ سعدیہ منہ کھولے اس کے انکشافات سن رہی تھیں۔

میرب کا محتاط رویہ اور سائر کا لیا دیا انداز وہ بھانپ تو گئی تھیں، مگر انہوں نے نظر انداز کر دیا تھا کہ نئی نئی شادی ہے، میرب سائر کے ساتھ جتنی جلدی ممکن ہو، ایڈجسٹ کر لے اچھا ہے۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی یہ سب نہیں تھا۔ بیٹی نہیں تھی وہ ان کی، مگر عزیز اتنی ہی تھی۔

"تم... تمہیں یہ سب کیسے معلوم؟" الفاظ بکھرنے لگے تھے۔

"خود اسی نے بہت مجبور ہو کر بتایا تھا۔" اب وہ یک دم ہی راز فاش کر دینے پر کچھ پشیمان سی تھی۔ تھک کر ان کے برابر ہی میں ٹک گئی۔

"ابراہیم بھائی کو پتا ہے؟" ان کے ذہن میں یک دم ہی ابراہیم صاحب کی فون کال آ گئی۔

"نہیں، نہ انہیں نہ کسی اور کو۔ اس نے اپنی بہن اپنا دوست سمجھ کر صرف مجھ سے شیئر کی تھی یہ بات۔" وہ سر جھکا کر مجرموں کی طرح بولی۔

"اور تم نے مجھ تک کو بتانا ضروری نہیں سمجھا۔" انہیں یک دم ہی اس پر بے تحاشا غصہ آیا تھا۔ "تم آج کل کی نسل نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو۔ ارے ابھی بڑے بیٹھے ہیں تمہارے، تم لوگ خود کیوں اپنے ماں باپ بن کر اپنے مسائل سلجھانے کی کوشش کرتے ہو۔"

"امی... ایسی بات نہیں۔ میرو کسی کو دکھ نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔ بس اسی لیے۔" وہ اس کی صفائی دینے لگی۔

"پتا نہیں ان پانچ ماہ میں بن ماں کی بچی پر کیا بیت گئی۔ ابراہیم بھائی تو اسے میری سرپرستی میں چھوڑ گئے تھے۔ میں انہیں کیا جواب دوں گی؟" ان کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر بھیگ گئیں۔ تب ہی دور سے سامنے کا شیشے کا داخلی دروازہ دھکیل کر اندر آتے ہوئے وقار اور سائر دکھائی دیے۔ ان کے ساتھ ساتھ ہی بل کے معاملات نپٹا کر سعد آتا دکھائی دیا۔

وقار متوحش اور پریشان سے تھے جبکہ سائر کے اوپر بے حس سی لاتعلقی طاری تھی۔ جسے دیکھ کر ماریہ اور سعدیہ، دونوں ہی کو بے حد و بے حساب غصہ آیا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ انہیں سلام کر کے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ البتہ سعد سے مصافحہ کرتے وقت ایک ناگوار و کٹیلی نگاہ اس پر ڈالنا ضروری سمجھا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے میرب بیٹی کی۔" وقار نے سعد سے مصافحہ کرتے ہوئے سعدیہ سے پوچھا۔

"زندہ ہے۔" انہوں نے تڑخ کر جواب دیا۔ وقار کے ماتھے پر ناگواری کی لکیریں ابھریں۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" انہوں نے حتی الامکان اپنے لہجے سے غصہ ظاہر نہ ہونے دیا، مگر ایسا کوئی تکلف سعدیہ نے نہیں کیا۔

"پوچھیں اپنے صاحبزادے سے، جو اس کی اس حالت کے ذمے دار ہیں۔" وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ماریہ نے کچھ پریشانی جبکہ سعد نے حیرت سے اپنی نرم خو والدہ کو دیکھا تھا۔

"دیکھیے بھابھی! میرب کی حالت کی وجہ سے ہم بھی پریشان ہیں، مگر اس طرح کی الزام تراشی قطعی نامناسب ہے۔" اب کی مرتبہ ان کا انداز بھی روکھا تھا۔ سائر کے ابرو تن گئے تھے۔ آنکھیں غصے سے بھری تھیں تاہم وہ خاموش رہا۔

"بھائی صاحب! بخدا میں الزام تراشی نہیں کر رہی، آپ کو حقیقت سے آگاہ کر رہی ہوں کیوں کہ آپ کے انداز سے لگتا ہے جیسے آپ بھی اس بات سے ناواقف ہیں۔" وہ اب کی بار کچھ نرم ہو کر بولیں۔

"کیسی حقیقت' کون سی بات؟" وہ بے وقوفوں کی طرح کبھی انہیں کبھی پیچھے کھڑے سائر کو دیکھے گئے۔

"یہ تو آپ اپنے بیٹے ہی سے پوچھیے' فی الحال میں آپ کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ میرب یہاں سے میرے ساتھ گھر جائے گی اور اس وقت تک وہاں رہے گی جب تک کہ وہ مکمل صحت یاب نہیں ہو جاتی۔" وہ استحقاق سے دوٹوک گویا ہوئیں۔ تب ہی یک دم سائر آگے آیا۔

"آپ چاہیں تو اسے ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھ سکتی ہیں۔ جبکہ میرا خیال ہے وہ خود بھی ایسا ہی چاہتی ہے۔"

وہ زہر خند لہجے میں سعد کو سر سے پیر تک طنزیہ انداز میں گھور کر الٹا گھوما اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔ یہاں کوئی بھی نا سمجھ نہیں تھا جو اس کی بات کا مفہوم نہ سمجھ پاتا۔ مارے ضبط کے سعد کا سفید چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ماریہ اس کی جرات پر ہکا بکا رہ گئی جبکہ سعدیہ نے حق دق کھڑے وقار کو مخاطب کیا۔

"دیکھ لیا آپ نے' کیا خناس سمایا ہوا ہے آپ کے بیٹے کے دماغ میں۔۔۔ اس کے اسی خناس نے میرب کو اس حال پر پہنچایا ہے۔ بھائی صاحب! مجھے شکایت سائر سے نہیں' گلہ آپ سے ہے۔ آپ تو بڑے مان سے بیاہ کر لے گئے تھے' اس بن ماں کی بچی کو' آپ نے بھی اس کا خیال نہ رکھا۔ اب آپ ہی بتائیے۔ میں ابراہیم بھائی کو کیا جواب دوں۔" وہ جذباتی انداز میں بولیں۔ ماریہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں حوصلہ دینا چاہا۔

"میں۔۔۔ میں آپ سے کیا کہوں۔۔۔ اس وقت بہت شرمندہ ہو رہا ہوں۔ مجھے تو لگا' ان دونوں کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہے۔ اب اس طرح کی صورت حال کا تو میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ آپ ابراہیم کو مت بتائیے۔ خدا کی قسم میں اس کی ملامت برداشت نہیں کر سکوں گا۔" وہ اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے شدید مضمحل لگ رہے تھے۔

"میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا ہر گز نہیں ہے بھائی صاحب! میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ اگر کوئی مسئلہ ہے تو اسے حل کر لیا جائے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔ میرب کیسی ہے میں مل لوں اس سے؟" وہ اپنے آپ کو سنبھال کر بولے۔

"ٹھیک ہے مگر ابھی غنودگی میں ہے۔" ماریہ نے بتایا۔ سعد کافی دیر خاموش کھڑے رہنے کے بعد وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

"ٹھیک' ٹھیک ہے پھر۔ میں چلتا ہوں۔ آپ لے جائیے میرب کو اپنے ساتھ۔۔۔ میں دیکھتا ہوں اس مسئلے کو۔۔۔ حل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ جانے کے لیے مڑے پھر کچھ یاد آنے پر دوبارہ ان سے مخاطب ہوئے۔ "بل میں بھر دوں گا' آپ تردد نہ کریں۔"

"بل ادا کیا جا چکا ہے بھائی صاحب! میرو میری بیٹی کی طرح ہے۔ آپ فکر نہ کریں بے کار باتوں کی۔" سعدیہ نے کہا۔ وہ سر ہلا کر بنا الوداع کہے باہر نکلتے چلے گئے۔

"اولاد بھی انسان کو کیسے کیسے شرمندہ کرواتی ہے۔" سعدیہ بڑبڑائیں تب ہی نرس نے آکر اطلاع دی۔

"آپ کی پیشنٹ کو ہوش آگیا ہے اور وہ اندر بلا رہی ہیں آپ کو۔"

✲ ✲ ✲

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" چندا نے چینل تبدیل کرتے ہوئے بے چینی سے ایک مرتبہ پھر جمیل سے پوچھا۔

"کس بات کا؟" جمیل کا سر ہنوز رنگ برنگی فائلوں پر جھکا ہوا تھا۔

اب کی بار چندا تپ ہی تو گئی۔ ریموٹ بیڈ پر پٹخ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈریسنگ چیئر پر آکر بیٹھ گئی مگر جمیل کے انہماک میں فرق نہ آیا۔ اس نے تلملاتے ہوئے ہینڈ لوشن کا ڈھکن کھولا اور لوشن ہاتھ پر ملنے لگی۔

"میں کچھ کہہ رہی ہوں سن رہے ہیں آپ۔" وہ چیختے ہوئے بولی۔

"ہاں کہو... کان کھلے ہیں میرے۔"

"مجھے یورپ کب لے کر چلیں گے۔ ہماری شادی کو اتنا عرصہ ہو گیا' آپ مجھے کہیں گھمانے نہیں لے کر گئے۔"

"یار... سونو کو ذرا بڑا تو ہو لینے دو۔ ایک سال کا بچہ ہے خیال کرنا پڑتا ہے۔" ان کی بات نے اس کے تن بدن میں آگ بھڑکا دی۔

"آپ ایک بات مجھے صاف صاف بتایئے۔" اس نے لوشن ٹیبل پر پٹخا۔ "آپ کی زندگی میں میری کوئی اہمیت ہے بھی یا نہیں۔" اس کے انداز برہمی پر جمیل نے فائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمہاری ہی وجہ سے کہہ رہا ہوں' تم وہاں تفریح کرو گی یا بچے کے پیچھے ہلکان ہوتی رہو گی۔ ذرا بڑا ہو جائے تو تمہیں ہی آسانی رہے گی۔" وہ اس کے برعکس رسان سے بولا۔

"مگر اسے لے کر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہمارا ہنی مون ہے۔ ہم اکیلے نہیں جا سکتے کیا؟" وہ ضدی پن سے بولی۔

"او ہو' تو یوں کہو نا کہ ہنی مون منانے کا جی چاہ رہا ہے۔" اس نے فائل بند کر کے اسے محبوبیت سے دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"جمیل' بات کو اِدھر اُدھر مت کریں۔" وہ سختی سے بولی۔

"بات ادھر جائے یا ادھر پہنچے گی یہیں تک۔" وہ غیر سنجیدہ انداز میں بولا۔

"مجھے ٹالنے کے بجائے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ آپ کی اوقات نہیں ہے مجھے وہاں لے کر جانے کی۔" اس نے کچھ اتنی بدتمیزی سے کہا کہ یک لخت جمیل سنجیدہ ہو گیا۔

"میری اوقات کو چھوڑو... تمہاری اوقات ہے اتنی بہترین زندگی گزارنے کی جو تم گزار رہی ہو۔" اس نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہا۔ چندا تمسخر سے ہنس دی۔

"میری اوقات کی کیا بات کرتے ہو جمیل... میری پرواز تو آسمانوں تک ہے' مگر مجھے محض گھر اور گھرداری جیسے سنہرے جال میں مقید کر دیا گیا ہے۔"

"اپنے آپ کو اتنی اونچائی پر تصور کرنا چھوڑ دو... نیچے گرو گی تو تمہیں ہی تکلیف ہو گی۔" اس کا لہجہ ناصحانہ تھا' مگر وہ مزید بھڑک گئی۔

"گرتے وہ ہیں جو اونچا اڑنے کے ہنر سے ناواقف ہوں اور مجھے ڈراوے دینے کی بجائے کچھ اپنا اسٹیٹس بلند کرنے کی کوشش کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔"

"اپنی ہمت اور کوشش سے ہی میں اس مقام پر پہنچا ہوں۔" اس نے جتایا۔

"زمین کے نیچے رہنے والے محض زمین کے اوپر ہی آ جانے کو کامیابی تصور کرتے ہیں۔" وہ استہزائیہ بولی۔

"زمین کے اوپر ہی سب کچھ ہے۔ میں آسمان پر چڑھنے کی خواہش میں اپنے پیر زمین سے اٹھا دینے والے بے عقلوں میں سے نہیں ہوں۔" وہ گہرے لہجے میں بولا۔

"بہر حال میں کچھ نہیں جانتی... مجھے یورپ جانا ہے اور اسی مہینے جانا ہے ورنہ نہیں۔" وہ ہٹیلے پن سے بولی۔

"نہیں تو نہ سہی تمہاری مرضی' مگر فی الحال میں تمہیں لے کر نہیں جا سکتا۔" اس نے قطعیت سے کہہ کر گویا بات ہی ختم کر دی اور فائلیں سمیٹنے لگا۔

"تم مجھے منع کر رہے ہو؟" وہ تحیر آمیز بے یقینی سے بولی۔ اس کی کشادہ آنکھیں مزید پھیل گئی تھیں۔

"ہاں!" وہ کہہ کر فائلیں سمیٹ کر اسٹڈی میں رکھنے چلا گیا۔

"یہ... اسے کیا ہوا؟" وہ اب تک بے یقینی سے کھڑی تھی۔ جن کے لبوں سے صرف آپ کے لیے ہاں نکلتا ہو' جب وہ منکر ہو جائیں تب جو محسوس ہوتا ہے اس وقت وہ وہی محسوس کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسپتال سے گھر تک کا راستہ بے حد خاموشی سے

طے ہوا۔ سائر لب بھینچے، ماتھے پر شکنوں کا جال پھیلائے ازحد سنجیدگی سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ جبکہ وقار صاحب کسی بہت ہی گہری سوچ میں مستغرق تھے۔ وہ چونکے تب، جب گاڑی گھر کے پورٹیکو میں آکر رکی۔

گھر کے اندر آکر وہ اسی گہری، دبیز خاموشی کے ساتھ بنا کسی کی طرف دیکھے اپنے کمرے کی جانب چلتے چلے گئے۔ ان کے قدم ڈھیلے ڈھالے اور کندھے ڈھلکے ہوئے سے تھے۔ سائر انہیں یوں پژمردہ دیکھ کر عجیب سے ملال میں گھر گیا، مگر دوسرے ہی لمحے اسے اس چالباز، احمق پر شدید تاؤ چڑھ گیا جو اس سب کی ذمے دار تھی۔

"ہونہہ ڈرامے باز، بدکردار عورت۔" وہ تنفر سے سر جھٹک کر اپنے کمرے میں آکر کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ شام میں کچھ اسنیکس لے لیے تھے اس لیے بھوک تو اسے فی الحال نہیں تھی البتہ کافی کی طلب شدید تھی۔ ابھی وہ باہر جاکر لالی کو کافی کا کہنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ معاً" دروازہ پر دستک ہوئی۔

"یس کم ان۔" وہ اپنے لیپ ٹاپ کو بیڈ پر رکھتے ہوئے بولا۔ آنے والے وقار تھے جنہیں دیکھ کر وہ یک دم سیدھا ہوا۔

"بابا آپ... آیئے بیٹھیے۔" اس نے جلدی سے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔

وہ چپ چاپ بیٹھ گئے۔ وہ یونہی کھڑا انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھے گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ کچھ دیر توقف کے بعد گہری سانس بھر کر بولے۔ وہ بلاچوں چرا بیٹھ گیا۔

"تم جانتے ہو سائر...!" کچھ دیر بعد ان کی درد میں ڈوبی گہری آواز گونجی۔ "تم نے آج کیا کیا ہے؟ تم نے میری تربیت، میرا مان، میرا تم پر بھروسا، فخرو غرور سب تہہ خاک کردیا۔" اتنا کہہ کر ان کی آواز رندھ گئی۔

"نہیں بابا! نہیں۔" وہ تڑپ ہی تو گیا۔ "میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں تو آپ کو دکھ دینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" اس کے روم روم میں ندامت آمیز بے چینی بھر گئی۔ اس نے وقار کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ انہوں نے چھڑوائے نہیں، تاہم اس کی جانب دیکھا بھی نہیں۔

"کیا میں یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ آخر تم نے اس معصوم کے ساتھ ایسا کیا سلوک روا رکھا تھا جو وہ یوں نڈھال ہو کر رہ گئی۔" ان کی رندھی ہوئی آواز میں ہلکا سا غصہ چھلکا۔

"معصوم؟" اس نے زہرخند انداز سے دہرایا اور ان کے تھامے ہوئے ہاتھ چھوڑ دیے۔ "وہ ہرگز معصوم نہیں ہے بابا! آپ محض چہرے دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

"اچھا... ایسا کیا کیا ہے اس نے؟" ان کا غصہ بڑھنے لگا۔

"وہ بدکردار ہے۔" وہ مضطربانہ انداز میں چیخ کر بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے الفاظ پر وقار ششدر رہ گئے۔ ان کی نگاہوں میں اتنی بے یقینی اور تحیر تھا کہ سائر جھینپ گیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے حالانکہ آپ کو کرنا چاہیے۔" وہ زور دے کر بولا۔ مگر اب کی بار وقار بھڑک گئے۔

"تمہیں اتنا رکیک جملہ اپنی پاک باز بیوی کے لیے ادا کرتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آرہی؟"

"شرم مجھے نہیں اسے آنی چاہیے۔" وہ بھی بلند آواز میں بولا۔

"وہ غیر لڑکوں کے ساتھ بے تکلفی برتتی ہے، لوگوں کو اپنے پیچھے لگا کر خوش ہوتی ہے۔ بے ہودہ لباس پہنتی ہے۔ پھر بھی اسے شرم نہیں آتی تو مجھے اسے بدکردار کہتے ہوئے شرم کیوں آئے۔" وہ ہذیان بک رہا تھا۔ وقار الزامات کی یہ فہرست سن کر حق دق رہ گئے۔ کچھ دیر بعد ان کے لب پھڑپھڑائے۔

"سائر...! وہ ایسی نہیں ہے، میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، میرے بچے۔" وہ بے چارگی سے بولے۔

"وہ ایسی ہی ہے بابا، پلیز آپ اس کی طرفداری مت کریں۔" وہ بے لچک لہجے میں کہہ کر واش روم

میں گھس گیا۔ وقار نے تھکی تھکی سی سانس لی۔

"تو گویا تاعمر مشقت کے بعد بھی میں ناکام ٹھہرا؟" ان کے ذہن میں یہی سوچ منجمد ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

میرب کے ہوش میں آنے کے بعد کچھ ٹیسٹ کیے گئے۔ وہ اب نارمل مگر بے حد گم صم اور اداس سی تھی۔ ماریہ اس کے نزدیک بیٹھی پیار سے اس کا سر سہلا رہی تھی جبکہ سعدیہ اپنے سیل پر آنے والی کسی کال پر مصروف کوریڈور میں تھیں۔ سعد کہیں گیا ہوا تھا۔

"میرب... میری جان! اب کیسا محسوس کر رہی ہو تم۔ قسم سے یار! تم نے تو جان ہی نکال دی تھی۔" وہ اس کی اداسی زائل کرنے کو شگفتگی سے بولی۔

"ماریہ... کیا سائرا ابھی تک نہیں آئے۔" اس نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"وہ اور انکل دونوں آئے تھے۔ انکل کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی اسی لیے انہیں لے کر وہ واپس گھر چلے گئے۔" ماریہ نے اس کی کیفیت کے پیش نظر بات بنائی۔

"ماریہ پلیز... مجھے کچھ دن اپنے گھر لے چلو۔" وہ لجاجت سے بولی۔ ماریہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"کیوں نہیں میرب... وہ تمہارا ابھی تو گھر ہے۔" اس نے پچکار کر کہا۔

"نہیں ماریہ! دنیا میں اب میرا کوئی گھر نہیں۔" اتنا کہہ کر وہ رونے لگی۔ ماریہ بے بسی و ترحم سے اسے دیکھنے لگی۔ تب ہی سعدیہ نرس کے ساتھ خوشگوار موڈ میں کمرے میں داخل ہوئیں اور اسے روتا دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"کیوں بھئی میرب! کیوں رو رہی ہو؟" وہ اس کے نزدیک آکر پیار سے بولیں۔ نرس سفید لفافہ ہاتھ میں لیے مسکرا رہی تھی۔

"آنٹی! مجھے بابا کے پاس جانا ہے۔" وہ بچوں کے سے لہجے میں بضد ہوئی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے چلی جانا۔" انہوں نے اسی انداز میں تسلی دی جیسے طفل تسلی کہا جاتا ہے۔ "فی الحال تو ایک خوش خبری سنو۔" وہ معنی خیزی سے مسکرائیں۔ ماریہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"تمہارے قدموں تلے جنت تعمیر ہونے جا رہی ہے میرب۔" انہوں نے اسے نم آنکھوں سے دیکھ کر مطلع کیا۔

"کک... کیا مطلب؟" وہ ہکلا گئی۔

"مطلب... آپ امی جان بننے والی ہیں۔" نرس نے شوخی دکھائی۔

"کیا..." ماریہ خوشی سے اچھل پڑی۔

جبکہ اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ وہ بس بے یقینی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہوا سب خیریت ہے؟" جوں ہی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی اسے آغا کا ایس ایم ایس موصول ہوا۔ جواباً اجیہ نے اسے کال ملالی۔ وہ آج وقار سے اجازت لیے بغیر آغا ہی کے گھر گئی تھی۔ وہاں سے وہ اسے ڈنر کے لیے لے گیا تھا جہاں انہیں بہت سی باتیں ڈسکس کرنی تھیں۔ مستقبل کا لائحہ عمل طے کرنے کے بعد اس نے ہی اجیہ کو گھر ڈراپ کیا تھا۔ اجیہ کچھ خائف سی تھی گھر پر اترتے وقت تب ہی اس وقت آغا نے اسے ایس ایم ایس کر کے حالات جاننا چاہے تھے۔

"کیا ہوا؟" آغا نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"کیا بتاؤں آغا! یہاں تو مسئلہ ہو گیا ہے؟" وہ بیڈ پر ٹک کر ناخن کترنے لگی۔

"کیا ہوا کچھ بتاؤ تو سہی۔" وہ جھنجلا گیا۔

"میری بھابھی ہاسپٹلائز ہو گئی ہیں۔ اب ہمارا کیا ہو گا؟" وہ پریشان کن لہجے میں گویا تھی۔

"یار! ان کے ہاسپٹلائزڈ ہونے سے ہمیں کیا مطلب "آئی مین" ہمیں کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟" وہ ناسمجھی سے بولا۔

"بھئی... میرے بابا بہت عجیب آدمی ہیں۔ وہ یہ بھی

تو کہہ سکتے ہیں کہ جب تک بھابھی ٹھیک نہیں ہو جاتیں اس وقت تک ہمارے رشتے کی بات نہیں چل سکتی اور پھر ہم نے تو یہی ڈی سائیڈ کیا تھا تاکہ میں بھابھی سے تمہارا ذکر کروں گی اور وہی اپنے طریقے سے بات آگے پہنچائیں گی۔" اس نے مسئلے سے آگاہ کیا۔

"اوہ نو..." وہ یک دم ہی پریشان ہو کر بولا۔ "واقعی یہ تو پرابلم ہو گئی۔ میرے پاس تو زیادہ دن نہیں ہیں، میں تو چاہ رہا تھا کہ کم از کم نکاح ہو جاتا، پھر پیپر وغیرہ بننے میں بھی وقت لگتا ہے۔ میرا تو ذہن بالکل ماؤف ہو گیا یار۔"

"اب کیا کریں؟" وہ سابقہ لہجے میں بولی۔

"چلو کچھ سوچتے ہیں۔ یہ تمہاری بھابھی کو بھی ابھی ہی کچھ ہونا تھا۔" وہ چڑ کر بولا۔

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی اور پھر بائے کر کے فون آف کرنے کے بعد اپنے گھٹنے پر چہرہ ٹکا کر لاتنا ہی سوچوں میں گھر گئی۔

اور اگر ہماری سوچوں ہی کے مطابق مستقبل بسر ہونے لگے تو پھر تقدیر کہاں جائے؟

☼ ☼ ☼

"میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہا تھا۔" پومی آنٹی اپنے موقف کے درست ہونے پر تفاخر سے بولیں۔ "کہ تم اس شخص کے ساتھ رہ کر اپنے آپ کو اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر رہی ہو۔ اس شخص کو نہ تمہارا احساس ہے نہ قدر۔"

وہ لوگ اس وقت پومی آنٹی کے گھر کے لان میں موجود کین کی کرسیوں پر بیٹھے شام کے وقت چائے اور اسنیکس سے شغل فرما رہے تھے۔

"مجھے لگتا ہے آنٹی! آپ کی بات ٹھیک ہی ہے۔ پہلے کی بات اور تھی اب وہ خاصا بدل گیا ہے۔ نہ وہ اب میری باتوں کو اہمیت دیتا ہے نہ فرمائشیں پوری کرتا ہے۔ اور تو اور اب تو ہمہ وقت اس کے سر پر "منسو" اور اس کی پرورش" ہی سوار رہتی ہے۔" اس کی پرسوچ نگاہیں غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھیں۔

"تم ابھی بھولی ہو۔ یہ مرد نامی مخلوق صاحب اولاد ہو جانے کے بعد ہی اپنا اصل چہرہ دکھاتے ہیں جو کم از کم بیویوں کے لیے تو ہرگز خوب صورت نہیں ہوتا۔" وہ ناک چڑھا کر بولیں اور چائے کے گھونٹ بھرنے لگیں۔

"ہوں... تو اب میں کیا کروں؟" اس نے غور سے انہیں دیکھ کر استفسار کیا۔

"حمیدی صاحب کے پاس چوہدری فضل دین کی آفر ہے کہ وہ ان کی فلم ڈائریکٹ کریں... ابھی تو معاملات چل رہے ہیں۔ فلم کی کاسٹنگ وغیرہ بھی نہیں ہوئی تم کہو تو بات کروں؟"

انہوں نے لہجہ بہ ظاہر سرسری سا بنا کر پوچھا، مگر چندا تو اچھل ہی پڑی۔ اس کی بجھتی آنکھوں کی قندیلیں روشن ہو گئیں۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟" وہ پرجوش ہو کر بولی۔

"ناممکن بھی ہو تو بھلا میں کس مرض کی دوا ہوں۔ تم سے دوستی کی ہے، تمہارے شوہر کی طرح تم سے غرض کا رشتہ تو باندھ نہیں رکھا۔" وہ جتا کر بولیں۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے کیجئے آپ بات... اب کچھ بھی ہو، جب اسے میری پروا نہیں تو مجھے کیا پڑی ہے، یوں بھی ایسی روکھی پھیکی سی زندگی تو میرا خواب نہیں تھی۔" وہ پراعتماد ہو کر بولی۔

پومی آنٹی کی چھوٹی چھوٹی میک اپ سے اٹی آنکھیں جگمگانے لگیں۔

☼ ☼ ☼

اک اچھوتا احساس تھا جو اس کے من میں جاگزیں ہو رہا تھا۔ اسے لگا وہ مکمل ہو گئی ہو۔ اسے آج تک ایسی لذت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ خوشی کے اس مقام پر کھڑی تھی جہاں پہنچ کر روح اداس ہو جاتی ہے سو وہ اداس تھی، مگر مسرور بھی۔ بہت سے واہمے اندیشے، مایوسیاں بھاپ بن کر اڑ گئے تھے۔ اور وہ ہلکی

پھلکی سی ہو کر گھر آئی تھی۔

"تم کیا کمرے میں اکیلے اکیلے بیٹھی مسکرا رہی ہو، چلو تمہیں بابا ہر امی بلا رہی ہیں۔"

ماریہ نے کمرے میں آکر جھانکا۔ وہ اس کی بات سن کر چونکی پھر اثبات میں سر ہلا کر اس کے پیچھے چلتی ہوئی لاؤنج میں چلی آئی۔ سعدیہ فون پر مصروف گفتگو تھیں۔ اسے دیکھ کر بولیں۔

"لیں بھائی صاحب آ گئی میرب، خود ہی اس سے بات کر کے تسلی کر لیں۔" انہوں نے فون اسے پکڑایا۔ وہ یک لخط مجوب سی ہو گئی تاہم سنبھل کر اس نے ابراہیم صاحب کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا! کیسی ہو تم؟" ان کے حلیم لہجے میں محبت کی چاشنی تھی۔

"جی بابا! اللہ کا شکر ہے بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے، عاشر کیسا ہے۔" اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ ٹھیک ہیں میرے بچے! تمہارے گھر میں تو سب ٹھیک ہے نا؟ سائر کیسا ہے؟ اس سے تو بات ہی نہیں ہو پائی۔" ان کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"سب ٹھیک ہے بابا! سائر اصل میں بہت مصروف رہتے ہیں آج کل، کچھ کاروباری مسائل ہیں بس ان ہی میں الجھے ہوئے ہیں۔ آپ کو تو اکثر سلام دیتے ہیں، میں ہی پہنچانا بھول جاتی ہوں شاید۔" وہ سائر کے تذکرے پر بجھ سی گئی۔

"اسے وعلیکم السلام کہنا اور بہت دعائیں دینا اور ہاں بیٹا! زندگی کے اس نئے موڑ پر گھبرانا نہیں۔ میں دعا گو ہوں تمہارے لیے۔ جی تو چاہ رہا ہے اڑ کر وہاں پہنچ جاؤں، مگر مجبور ہوں کہ اکیلے سفر نہیں کر سکتا اور عاشر کو چھٹی ملے گی نہیں۔" وہ اداسی لیے بولے۔

"بابا جان! آپ پلیز اداس مت ہوں۔ بس دعا کرتے رہیں میرے حق میں۔" وہ بھی رنجیدگی سے بولی۔

"چلو بیٹے رکھتا ہوں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔" انہوں نے فون بند کر دیا۔ اس نے بھی ڈھیلے انداز میں ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"کیوں بیٹا۔۔۔ کیوں اتنی بجھی بجھی سی بیٹھی ہو۔" سعدیہ نے اس کے لیے جوس لاتے ہوئے پوچھا۔

"آنٹی پلیز۔۔۔ میرے لیے اتنا تردد مت کریں۔" اس نے انہیں جوس کا گلاس لاتے دیکھ کر شرمندگی سے کہا۔

"یہ تم نے غیروں جیسی باتیں کب سے شروع کر دیں۔ کیا تم میری بیٹی نہیں ہو۔" وہ اس کے قریب بیٹھ کر خفگی سے بولیں۔

"آنٹی پلیز۔۔۔ آپ لوگ ہی تو میرے اپنے ہیں۔ آپ کو میں غیر کیوں سمجھوں گی۔" وہ بولی۔

"غیر تو تم سمجھتی ہو بیٹا۔" وہ کچھ ناراضی سے بولیں۔ "اگر اپنا سمجھتیں تو کیوں سارے دکھ اکیلے جھیلتی رہتیں۔" ان کی بات پر میرب کا سر جھک گیا۔

"مجھے اپنا پندار عزیز ہے آنٹی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"پندار کو عزیز رکھنا اچھی بات ہے، مگر تجربے کی بات ہے کہ محض پندار کے سہارے زندگی نہیں گزرتی۔ زندگی مسائل کا حل مانگتی ہے۔"

"میں اپنے طور پر اپنا مسئلہ حل کرنا چاہتی تھی۔"

"مگر کیا تمہارا مسئلہ حل ہوا؟ نہیں نا۔ تو کیا اب بھی تمہیں کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں؟"

وہ خاموش رہی۔ وہ کچھ دیر اسے بہ غور دیکھتی رہیں۔

"اب کیا سوچا ہے تم نے۔ ابھی تو میں نے بھائی صاحب کی طبیعت اور دوری کے پیش نظر یہ بات ان سے چھپالی، مگر کیا یہ بات اتنی ہی معمولی ہے کہ تادیر مخفی رہ سکے؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ انہیں دوسری جانب سے بھی یہ بات معلوم نہیں ہوگی کہ تمہارے اور سائر کے مابین کچھ بھی ٹھیک نہیں؟" انہوں نے میرب کے سامنے ان گنت سوال رکھ دیے۔

"تو پھر میں کیا کروں؟" وہ سسک اٹھی۔ "اس بے یقین آدمی کو اپنی وفا کا یقین کیسے دلاؤں؟ اس بدگمان شخص کی بدگمانیاں کیسے دور کروں؟ وہ جو ایک عورت کی

بے وفائی کا بدلہ مجھ سے لے رہا ہے' اسے انتقام لینے سے کیسے روکوں؟" وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

سعدیہ اسے تاسف سے دیکھنے لگیں۔ مگر یہ وقت افسوس کرنے سے کہیں زیادہ سوالات کرنے کا تھا۔

"اس نے تم سے خود یہ بات کہی ہے کہ وہ کسی اور کو چاہتا تھا؟" سعدیہ کو ماریہ ساری صورت حال سے آگاہ کر چکی تھی۔

"نہیں۔" اس نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ "مگر مجھے یقین ہے کہ یہی بات ہوگی۔" اس نے یقین سے کہا۔

"بیٹی۔ زندگی مفروضوں کی بنا پر نہیں گزرتی۔ تمہیں اس سے کھل کر بات کرنی چاہیے۔" انہوں نے سمجھایا۔

"بات تو تب کروں نا جب وہ کرنے دیں۔ ان کا جی چاہتا ہے تو بات کرتے ہیں ورنہ نہیں۔" وہ کچھ چڑ کر بولی۔

"یہ تو عجیب بات ہے۔" وہ کچھ پریشان سی ہو گئیں۔ "تب پھر یہ مسئلہ کیسے حل ہو؟ وہ تو یوں چپ کر کے بیٹھ گئے ہیں گویا جان چھوٹی ہو۔"

"جان ہی تو چھوٹی ہے ان کی۔" وہ تلخ ہوئی۔ اس نے سائر کے ہاتھ اٹھانے کا ابھی تک کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔ کیسے بتاتی؟ خود کو ارزاں کرنا دوسروں کی نظر میں آسان نہیں ہوتا۔

"ایسے تو معاملات نہیں چلیں گے۔ مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔ تم ہی اسے فون کر کے یہ خوش خبری سنادو' شاید اس کے مزاج پر خوش گوار اثر پڑے۔" وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچ کر بولیں۔

"آپ کو کیا لگتا ہے' وہ یہ خبر سن کر مجھے لینے دوڑے چلے آئیں گے۔" وہ طنزیہ بولی۔

"نہ آئے مگر اس کے علم میں یہ بات لانی بھی تو ضروری ہے۔"

"تو پھر آپ ہی بتا دیجئے میں تو ہرگز بھی انہیں فون نہیں کروں گی۔" وہ قطعیت سے کہہ کر اٹھی اور لاؤنج عبور کر گئی۔

سعدیہ کی تفکر میں ڈوبی آنکھیں اس کے تعاقب میں تھیں۔

☼ ☼ ☼

پومی آنٹی نے اپنے نئے گھر کی خوشی میں پارٹی دی تھی اور چندا کو ہدایت تھی کہ بہت بہترین انداز میں تیاری کر کے آئے کہ وہاں پومی آنٹی اور ان کے شوہر حمیدی صاحب کے حلقہ احباب نے جمع ہونا تھا۔ چوہدری صاحب بھی مدعوئین میں شامل تھے۔ چندا نے آج کی تقریب میں اپنے تن پر سجانے کے لیے سفید براق۔ نیٹ کی ساری کو چنا تھا جو سفید اور ہلکے نیلے نگینوں لے کام مزین تھی۔ فیروزے اور زرقون کا سیٹ ان کی شادی کی سالگرہ پر جمیل نے اسے گفٹ کیا تھا۔ اس نے وہی پہن لیا۔ ریشمی تھان سی مرمریں کلائیوں میں نگینے جڑا کڑا گھمایا۔ غزالی قاتل آنکھیں گہرے نیلے رنگ میں رنگین۔ ہونٹوں پر چمکدار مگر ہلکی گلابی لپ اسٹک جمائی۔ بالوں کے سروں کو اس نے لوز کرل کر لیا تھا وہ یوں ہی پشت پر لہرا رہے تھے۔ آخر میں "بولڈ" کی مسحور کن خوشبو اسپرے کی۔ سلور چمکدار اونچی ہیل کے سینڈل پہنے۔ چھوٹا سا پرس مٹھی میں دابے' وہ تقریب میں جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے کا عمل تھا۔ جمیل کو آج دیر سے گھر آنا تھا وہ فون پر اسے مطلع کر چکا تھا اور وہ بھی اسے مسز حمیدی کے گھر کی اس "پارٹی" کے متعلق بتا چکی تھی۔ مگر اتنا ہی کہ ان کے نئے گھر کی خوشی میں پارٹی ہے مگر وہاں کیا ہوگا' یہ بتانا اس نے ضروری نہیں سمجھا تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے پومی آنٹی کا ڈرائیور اسے لینے گھر کے باہر موجود تھا۔ پومی آنٹی نے چندا کو پک کرنے کے لیے' بہ طور خاص اسے بھیجا تھا۔

وہ اپنی کمان دار کمر لچکاتی نزاکت سے گاڑی میں آبیٹھی۔ اس نے گھر سے نکلتے وقت براؤن شال لپیٹ

لی تھی۔ جو اس نے پومی آنٹی کے گھر میں داخل ہونے سے قبل اتار کر گاڑی ہی میں رکھ دی تھی کہ واپسی بھی تو اسی گاڑی میں ہونی تھی۔

پومی آنٹی کے وسیع و عریض گھر کے بقعہ نور بنے لان میں وہ جس دم داخل ہوئی' یک لخطہ جھجک سی گئی کہ وہ بھلا کب اتنی شاندار تقریبات کا حصہ رہی تھی؟ ان کی کلاس میں تو تقریب کے نام پر محض شادی' ولیمہ ہی بڑے پیمانے پر کیا جاتا تھا۔ بہت ہوا تو عقیقہ' سالگرہ وغیرہ۔ جہاں کی سجاوٹ' مہمان اور کھانے' سب ہی اوسط درجے یا اس سے کچھ نیچے ہی ہوتے تھے۔

یہی دنیا تو ہے میری منزل۔ جہاں سب کچھ محض "ایوریج" نہیں بلکہ بہترین ہے۔ شاندار ہے پر تعیش ہے۔ اس کی ساحر آنکھیں خوابناک سی ہو کر کئی ایک لوگوں کو اس کی جانب متوجہ کر گئیں۔

"ارے چندا!" پومی آنٹی کی گرم جوش آواز اسے ہوش میں لے آئی۔"یہاں کیوں کھڑی ہو ارے بھئی آؤ نا۔" انہوں نے بڑے پرتپاک انداز میں اسے خوش آمدید کہا تھا۔ وہ ان کی معیت میں یوں قدم اٹھاتی گئی گویا کسی ریاست کی شہزادی ہو۔ وہاں موجود کئی "شوقین" اس کی جانب مکمل متوجہ ہوگئے۔ کئی ایک کو اپنا دل اس کے قدموں کے ساتھ گھسٹتا محسوس ہوا۔ مگر وہ شان بے نیازی سے ان کے دل روندتی ہوئی چوہدری صاحب کے پاس جا کر ٹھہر گئی۔

"دیکھیں چوہدری صاحب! کیا ہیرا ڈھونڈا ہے آپ کے لیے۔ کیا داد نہیں دیں گے۔" پومی آنٹی نے چوہدری صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔ وہ جو کسی سے مصروف گفتگو تھے' پلٹے اور ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

"واہ۔ واہ بھئی واہ مسز حمیدی' جواب نہیں آپ کے انتخاب کا۔" انہوں نے اسے تولتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مشروب کا گھونٹ بھرا۔

"تو۔ کیا کرتی ہیں یہ؟"

چندا نے لب کھولے مگر کچھ سوچ کر بند کر لیے۔

"پڑھتی ہے کالج میں بہت شوق ہے اسے اداکاری کرنے کا۔" انہوں نے گڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"اچھا شوق ہے اور ان کا شوق انہیں بالکل صحیح مقام پر لے کر آیا ہے۔" اس نے کہا۔

"اچھا چندا تم ذرا چوہدری صاحب کو کمپنی دو' میں اپنے مہمانوں کو اٹینڈ کر لوں۔" پومی آنٹی نے چندا کا داہنا ہاتھ دباتے ہوئے گویا اسے کچھ اشارہ دیا۔ اور اسے سمجھا کر آگے بڑھ گئیں۔

اسے چوہدری کے ساتھ کھڑا دیکھ کر دیگر کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ مگر یہ ان کے ہاں کا مروجہ اصول تھا کہ کوئی دوسرا کسی کے خاص مہمان کو بہکا کر اپنی جانب متوجہ نہیں کر سکتا تھا۔

"کہاں پڑھتی ہیں؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ابھی کالج میں ہوں۔" اس نے دھیمے سے بتایا۔

"اچھا۔ اچھا خیر پہلے اداکاری وغیرہ کا تجربہ ہے؟"

"جی۔ جی نہیں بس کالج ہی میں اسٹیج ڈرامے وغیرہ کیے ہیں۔"

"چلیں خیر۔ آپ کا تو یہ قاتل حسن ہی کافی ہے۔" اس نے چٹخارا لے کر کہا۔ اس کا انداز چندا کو اچھا تو نہیں لگا مگر پروفیشنل ازم کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اس لیے محض اک خاص انداز سے مسکرا دی۔

"آپ کے ہاتھ خالی ہیں۔ کچھ شوق نہیں فرمائیں گی؟"

"جی نہیں شکریہ۔" اس نے ناگواری سے ناک چڑھائی۔

"کیا ادا ہے۔" وہ عش عش کر اٹھا۔ "آپ تو بنی بنائی ہیروئن ہیں جی آپ پر محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ قسم سے اک بار آجائیں اسکرین پر' تہلکہ مچا دیں گی۔"

اچانک ہی فضا بے ہنگم موسیقی سے گونج اٹھی۔ اور کچھ لوگ اپنے پارٹنرز کے ساتھ تھرکنے لگے۔ چوہدری نے بھی مشروب کا خالی گلاس ویٹر کو تھما دیا اور کمال بے تکلفی سے اس کی نیم برہنہ کمر میں ہاتھ ڈال کر بولا۔

"ساتھ نہیں دیں گی۔"

"کیوں نہیں۔" وہ پذیرائی کرنے والے انداز میں مسکرائی تھی۔ اور دوران رقص ہی چوہدری اس کے متعلق بہت کچھ سوچ چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مگر یہ کیوں ہوتا ہے کہ کرتا تو کوئی اور ہے اور بھگتنا اس کے متعلقین کو پڑتا ہے۔" وقار نے کتاب نشانی لگا کر بند کی اور ٹیبل پر رکھ کر چشمہ دائیں ہاتھ سے اتار کر ساتھ ہی رکھ دیا۔ اور خود کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ وہ آج کل اپنا زیادہ وقت اسٹڈی میں گزار رہے تھے گھر میں سوائے لالی سے ضرورتاً" بات کرنے کے "کسی سے بھی بات نہیں کر رہے تھے۔ ان کا ذہن الجھنوں کا شکار تھا۔ خدشے تھے کہ انہیں چین نہیں لینے دے رہے تھے۔ سائر کا رویہ ہنوز اول روز جیسا تھا۔ اور یہی بات انہیں خطرے کی گھنٹی محسوس ہو رہی تھی۔

اور میری ساری زندگی اسی ڈر کے تحت گزری ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے مگر تب تو ایسا یا ویسا کچھ بھی نہیں ہوا اور اب یہ صورت حال۔ میں کیا کروں کس سے مدد مانگوں۔ ابراہیم کیا سوچے گا' کیا یہی سب کرنے کے لیے اس کی بیٹی کو گھر لائے تھے؟

وہ ان ہی سوچوں میں غلطاں تھے تب ہی ٹیبل پر رکھا ہوا ان کا فون زور سے بج اٹھا۔ انہوں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور فون اٹھا کر دیکھا سعدیہ کے گھر کا نمبر تھا۔ "اٹھاؤں یا نہ اٹھاؤں' ان کے سوالوں کا میں کیا جواب دوں گا؟" وہ شش و پنج میں پڑ گئے۔ فون بج بج کر خاموش ہو گیا۔

"مگر خاموشی تو فرار ہے۔ اب جو بھی ہو' اللہ مالک ہے۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری تب ہی فون پھر بجنے لگا۔

"ہیلو السلام علیکم۔ میں سعدیہ بات کر رہی ہوں بھائی صاحب۔" انہوں نے کہا۔

"وعلیکم السلام۔ جی بھابھی! سنائیے کیا حال ہے آپ کا۔" انہوں نے محتاط ہو کر بات شروع کی۔

"ہم تو اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہیں' آپ سنائیے وہاں کا کیا حال ہے۔ آپ نے تو پلٹ کر کال بھی نہیں کی۔" ان کے لہجے میں تپش بھی تھی اور شکوہ بھی۔

"جی بس۔ کچھ مصروفیت تھی' اک دو روز میں چکر لگاتا ہوں۔" ان کا لہجہ بے یقین سا تھا۔

"جی ضرور' فی الحال تو میں نے آپ کو ایک خوش خبری سنانے کے لیے فون کیا ہے۔ خیر سے آپ دادا بننے جا رہے ہیں۔ مبارک ہو آپ کو۔"

"کیا کہا؟" انہیں لگا ان کی سماعت کو دھوکا ہوا ہے۔

"جی بالکل' اللہ نے کرم کیا ہے' میرو منتظر ہے بھائی صاحب! لاکھ یہاں ہر طرح کا آرام ہے مگر اسے اس حالت میں روحانی مسرت و قلبی سکون تو بہرحال اپنے شوہر کے گھر جا کر حاصل ہو گا۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات۔" وہ سنجیدگی سے بولیں۔

"بھابھی صاحبہ! بالکل سمجھ رہا ہوں آپ فکر مت کریں۔ بس بچی کا بہت خیال رکھیں ان شاء اللہ میں آج یا کل آکر اسے لے جاؤں گا۔" ان کی آواز مارے خوشی کے کپکپا رہی تھی۔

"آج یا کل تو نہیں' فی الحال تو وہ یہیں ہے۔ ماریہ کی تاریخ طے ہونے تک۔"

"ملنے تو آسکتا ہوں؟" انہوں نے پوچھا تو وہ شرمندہ ہو گئیں۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ' جب چاہیں آئیں۔ آپ کا اپنا گھر ہے۔ مگر آپ سائر کے ساتھ آئیں گے تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔"

"چلیں دیکھتا ہوں۔" ان کا مسکراتا لہجہ کچھ ماند پڑ گیا۔ "بھابھی صاحبہ آپ سے ایک التجا کرنی تھی۔" وہ جھجک کر بولے۔

"جی بولیے۔"

"آپ فی الحال ابراہیم سے ان سب باتوں اور حالات کا تذکرہ مت کیجیے گا خدارا۔" ان کی آواز شرمندگی سے مغلوب تھی۔

"ارے نہیں۔" وہ سرعت سے بولیں "بلکہ میں

خود آپ سے یہی کہنے والی تھی کہ خوامخواہ ابراہیم بھائی کو پریشان مت کیجیے گا۔"
"میں سمجھتا ہوں۔"
"اچھا رکھتی ہوں۔ آپ کی منتظر رہوں گی۔" انہوں نے یاد دلایا۔
"ان شاء اللہ میں کل ہی چکر لگاتا ہوں۔" فون بند کرنے کے بعد انہوں نے ایک تروتازہ سی سانس لی۔ انہیں لگ رہا تھا گویا وہ پھر سے جوان ہو گئے ہوں۔

☼ ☼ ☼

"کیوں کیا ہوا؟ اتنی افسردہ اور پریشان سی کیوں ہو؟" گل نے شربت بنا کر لاتے ہوئے پوچھا۔ آج کئی دن بعد اجیہ نے اس کے پاس چکر لگایا تھا۔
"بس کیا بتاؤں امی، اچانک ہی بھابھی کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی اور وہ اسپتال سے اپنے گھر چلی گئی ہیں۔ معلوم نہیں ان کے اور سائر بھائی کے بیچ کیا مسئلہ ہو گیا ہے مگر مصیبت میرے لیے کھڑی ہو گئی ہے۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔
"تم کیوں فکر مند ہو رہی ہو اتنی۔" گل بے پروائی سے بولی۔ "ہو گیا ہو گا کسی بات پر جھگڑا۔ میاں بیوی تو یوں بھی لڑتے جھگڑتے ہی رہتے ہیں۔" اس نے کہہ کر ٹھنڈا ٹھار شربت کا گلاس لبوں سے لگایا۔
"مجھے ان کی پرواہ نہیں اپنی فکر ہے۔ میرا معاملہ تو کھٹائی میں پڑ گیا نا۔" وہ چڑ کر بولی۔ "گھر میں ہر کوئی اسی ٹینشن میں مبتلا ہے۔ ایسے میں میرے معاملے کو کون دیکھے گا۔" گل ہی اسے سب خبریں بہم پہنچاتی رہتی تھی۔
"چچ۔ چچ۔" گل نے متاسف سے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "کس قدر خود غرض ہیں یہ باپ بیٹا۔ انہیں تمہاری کوئی پروا ہی نہیں۔ سچ کہتی ہوں میری بچی، تجھے دیکھتی ہوں تو کلیجہ شق ہونے لگتا ہے۔ کاش تیری شادی ہی میں اپنے ہاتھوں سے کر سکتی، تیری پرورش تو نہ کر سکی۔" وہ گلاس رکھ کر رقت لہجے میں بولی۔
"امی!" اس نے جھٹ اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈال کر پیار سے کہا۔ "یہ بھی آپ ہی کی خواہش ہے کہ آپ سے تعلق کو میں پوشیدہ رکھوں وگرنہ تو مجھے اب آپ سے ایک پل بھی دور رہنا گوارا نہیں ہے۔"
"تب ہی بیاہ کر سات سمندر دور جانے کا منصوبہ بنائے بیٹھی ہو۔" اس نے خفگی سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔ وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔ پھر صفائی دینے والے انداز میں بولی۔
"مگر امی! یہ تو ہم دونوں ہی کے لیے اچھا ہے نا، شادی کے بعد میں آپ کو وہیں اپنے پاس بلا لوں گی۔"
"خاک بلالو گی۔ وہ تمہارا شوہر بلانے دے گا تب نا۔"
"نہیں امی! وہ ایسا نہیں۔ میری ہر بات مانتا ہے۔" اس نے آغا کا دفاع کیا۔
"ہونہہ۔ شادی کے بعد عورت مرد کے لیے صرف بیوی ہوتی ہے۔ جس کی بات ماننا یا سننا وہ اپنی توہین سمجھتا ہے۔" وہ زہر آلود لہجے میں بولی۔
"امی۔ آپ دنیا کے ہر مرد کو بابا جیسا کیوں سمجھتی ہیں۔"
"کیونکہ سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔" وہ کرختی سے بولی۔
"چھوڑیں یہ بے کار کی بحث۔ میرے لیے دعا کریں۔ آغا بہت غصے میں ہے۔ پتا نہیں ہمارا کیا بنے گا۔" وہ مضطربانہ انداز میں اپنی انگلیاں چٹخاتی ہوئی بولی۔
"(بنے گا تو وہی جو میں بنانا چاہتی ہوں۔ عنقریب وہ وقت آیا ہی چاہتا ہے میری بچی!)" گل نے دل میں مسکراتے ہوئے کہا مگر بولی تو یہ کہ۔
"ہاں بیٹا۔! میری ساری دعائیں تیرے ہی لیے ہیں۔"

☼ ☼ ☼

کچھ دیر قبل ہی وقار صاحب نے کسی نتیجے پر پہنچ کر سائر کو اسٹڈی میں طلب کیا تھا اور اب وہ ٹیبل کے سامنے رکھے لائٹ براؤن صوفے پر خاموشی سے

سر جھکائے بیٹھا تھا۔
"تمہیں صاف صاف بتانا ہو گا کہ تمہیں میرب سے کیا شکایت ہے؟" وقار صاحب کی بارعب آواز گونجی۔ سائر نے سر نہیں اٹھایا۔
"میں بتا چکا ہوں۔" اس نے بھی دو ٹوک کہا۔
"میرے نزدیک ان بے کار اور واہیات باتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔" یک جنبش قلم انہوں نے اس کی بات رد کی۔
"مگر میرے لیے ہے۔" سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔ اور نگاہیں براؤن کارپٹ پر مرکوز تھیں۔
"ہوں۔" انہوں نے پرسوچ ہنکارا بھرا۔ "تو پھر آگے کا کیا سوچا ہے؟" انہوں نے نگاہیں سائر پر گاڑ کر جاننا چاہا۔ وہ خاموش رہا۔
"میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔" وہ تحکمانہ بولے۔
"میں نے فی الحال کچھ نہیں سوچا۔" کچھ دیر توقف کے بعد مدہم انداز میں کہا۔
"یہ تو اچھی بات ہے کہ تم کوئی سنگین فیصلہ کرنے میں متامل ہو۔" انہیں کچھ اطمینان ہوا۔ "اب جو میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں ہو سکتا ہے وہ سن کر تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔" انہوں نے کچھ دیر ٹھہر کر اس کے تاثرات جانچے۔ وہ ہنوز چہرے کے عضلات تانے بیٹھا تھا۔ انہوں نے بات کا سرا وہیں سے جوڑا۔
"تمہاری بیوی ماں بننے والی ہے۔ بہتر ہے کہ تمہارے بیچ جو بھی معاملات بگڑ گئے ہیں انہیں درست کر لو اور اسے گھر لے آؤ۔" یہ اطلاع نہیں دھماکا تھا۔ سائر کے کان سنسنانے لگے۔ اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر بے یقینی سے انہیں دیکھا۔
وہ سنجیدہ مگر مطمئن سے بیٹھے تھے گویا اب سب ٹھیک ہونے والا ہو۔
مگر نہیں۔ کہیں کچھ بہت غلط ہو گیا تھا۔ اور غلطیوں کو بہرحال سدھارنا تو پڑتا ہی ہے۔
"ٹھیک ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔" وہ عجلت میں کہتا ہوا اضطراری انداز میں کمرہ عبور کر گیا۔ وقار نے اک پدرانہ شفقت بھری مسکراہٹ سے اس کا بے قرار انداز دیکھا۔ اور سر جھٹک کر پھر سے کتاب اٹھالی۔
انہیں محسوس ہوا تھا کہ اب تو سب ٹھیک ہی ہونا ہے۔ اب تو سب ٹھیک ہی ہو گا۔!

✡ ✡ ✡

"اب بتا بھی دیجیے پومی آنٹی! آخر ایسی کیا بات ہو گئی جو آپ اتنی پُرجوش ہو رہی ہیں۔" چندا نے بے چینی سے دریافت کیا۔
"بتاتی ہوں۔ بتاتی ہوں۔ آخر اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" بشیرن ٹیبل پر چائے سرو کر رہی تھی۔ شام کا ٹھنڈا وقت تھا۔ پومی آنٹی نے سہ پہر ہی چندا کو فون کر کے شام میں اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ چندا تب ہی سے خاصی مضطرب اور بے تاب تھی۔
"ہاں تو اب سنو۔" پومی آنٹی نے بشیرن کے جانے کے بعد چپس اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "چوہدری صاحب تمہیں اپنی فلم کی ہیروئن بنانے پر تیار ہو گئے ہیں۔"
"کیا!" چندا کی چیخ بڑی بے ساختہ تھی۔ "آپ سچ کہہ رہی ہیں نا۔" اندرونی جوش و مسرت سے اس کا حسین چہرہ گلنار ہو گیا۔
"لو مجھے جھوٹ بولنا ہوتا تو گلبرگ سے یہاں تک کا سفر طے کر کے آتی۔ میں نے کہا تھا نا چندا ڈیئر! اپنی قسمت خود بنانی پڑتی ہے اور پھر ہم جس کا ساتھ دینے کی ٹھان لیں اسے منزل پر پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔" وہ شان بے نیازی سے بولی۔
"مان گئے آپ کو۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔" وہ جذباتی ہو کر بولی۔
"ارے بھئی یقین کر بھی لو۔" آنٹی ہنستے ہوئے بولیں۔ "بس اب سمجھو سارے ہی معاملات تیزی سے آگے بڑھیں گے۔ ایسا کرو کہ کل شام چوہدری صاحب کے گھر چل کر اپنا رول وغیرہ پڑھ کر کانٹریکٹ سائن کر لو۔ فلم سے متعلق کچھ ڈسکشنز بھی وہیں کر لیں گے کیوں کیا خیال ہے؟"
"ہاں ہاں کیوں نہیں جیسا آپ کہیں۔" اس پر تو

گویا شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری تھی۔

"ہاں بس تو پھر ٹھیک ہے۔ سچ چندا! تم بڑی خوش قسمت ہو۔" انہوں نے اس کے اندر رہوا بھری۔ چندا نے گردن اکڑالی۔

"واقعی چوہدری صاحب کافی پروفیشنل بندے ہیں۔ میں تو ان کی قائل ہو گئی۔" چندا داد دینے والے انداز میں بولی۔

"ہاں نا۔" آنٹی نے تائیدا" کہا۔ "اب دیکھو نا ان کی جگہ کوئی اور بندہ ہوتا تو خواہ مخواہ الٹی سیدھی شرائط رکھتا۔ انہوں نے تو سیدھا سادا پیغام بھجوایا ہے تمہیں۔" انہوں نے چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے طوطے کی طرح آنکھیں نچائیں۔

"پیغام! کیسا پیغام؟" چندا نے مسکراتے ہوئے یونہی پوچھا۔

"بھئی۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ "صاف اور سیدھی بات ہے آخر تو تم جانتی ہی ہو کہ اس فیلڈ میں کچھ لو اور دو کا اصول چلتا ہے۔ اب اگر وہ تمہیں اتنا بڑا چانس یونہی دے رہے ہیں تو ان کے جذبات کا خیال کرنا تمہارا فرض بنتا ہے۔" وہ کچھ مبہم سے انداز میں بول رہی تھیں۔ چندا کو الجھن ہونے لگی۔

"آپ صاف صاف بات کیجئے۔" اس نے ٹوکا۔

"صاف بات تو یہ ہے کہ چوہدری صاحب تم سے شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔" وہ تو یوں بولیں گویا یہ کوئی از حد معمولی بات ہو مگر چندا کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"کیا مطلب؟" وہ تحت لہجے میں بے ساختہ بولی۔

"مطلب کیا پوچھ رہی ہو۔ بھئی، سیدھی سی بات ہے، وہ تم سے شادی کرنے کی صورت ہی میں تمہیں اپنی فلم کی ہیروئن کاسٹ کریں گے۔" انہوں نے بغیر لاگ لپیٹ کے کہہ دیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہیں وہ۔ میں شادی شدہ ہوں۔ ایسا کیسے ممکن ہے۔" وہ آتش فشاں بن گئی۔

"مگر ان سے تو تم کالج گرل کی حیثیت سے ملی ہو نا؟" یومی آنٹی نے اکتا کر اسے یاد دلایا۔

"مگر وہ تو آپ ہی نے کہا تھا اس لیے میں نے ایسا کہا۔" اس نے بھی یاد دہانی کروائی۔ مگر یومی نے بڑا بے تکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"تو کیا بتاتی کہ تم شادی شدہ اور ایک بچے کی ماں ہو۔ انہوں نے تو یہ سن کر تمہیں قریب بھی پھٹکنے نہ دینا تھا۔ لاکھوں روپے بہتی ہوئی شے پر لگا کر انہیں اپنا سرمایہ ڈبونا ہے کیا؟ بی بی! تم کس جہاں میں ہو یہ مایا نگری ہے یہاں سچ کی کوئی قیمت نہیں۔ جھوٹ کا سکہ چلتا ہے انہوں نے صاف کہا ہے تم سے شادی کرنے کی صورت ہی میں وہ تمہیں اپنی فلم میں لیں گے ورنہ نہیں۔" وہ کاٹ دار لہجے میں بولتی چلی گئیں۔

"مگر آپ تو کہہ رہی تھیں کہ ان کی کوئی شرط نہیں پھر یہ کیا ہے۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"اسے شرط نہیں ڈیل کہتے ہیں۔ تم چاہو تو بنا شادی کے بھی ان کے ساتھ۔" مگر ان کی بات ادھوری رہ گئی۔

"کیا بکواس کر رہی ہیں آپ یومی آنٹی۔" وہ بھڑک گئی۔ "مجھے ہیروئن بننا ہے فاحشہ نہیں۔"

"زیادہ پارسا بننے کی ضرورت نہیں۔ تم اتنی ہی تو بھولی ہو نا! ارے بی بی! جب اپنے حسن کی نمائش لگاؤ گی تو خریدار بھی آئیں گے اور لٹیرے بھی کچھ تو ان کی شرافت ہے کہ وہ لوٹنے پہ یقین نہیں رکھتے۔ اور بالفرض تمہیں وہ یا کوئی اور کسی بھی شرط اور مطالبے کے بنا کام دے بھی دے تو تب تم اپنے اس دقیانوسی اور اجڈ شوہر کا کیا کرو گی؟ وہ تمہیں چلیے اتنی ہی آسانی سے یہ کام کرنے دے گا نا۔ چندا جان! خواب دیکھنے اور انہیں حقیقت بنانے میں آسمان سے زمین تک کا سفر کرنا پڑتا ہے یہ نخرے مارکیٹ میں نہیں چلیں گے۔" وہ استہزائیہ کہتے کہتے آخر میں ناراضی سے بولیں۔

"کیا کوئی اور صورت نہیں یومی آنٹی؟" وہ حقائق کی روشنی میں کچھ دھیمی ہو کر بولی۔

"ہے نا۔ گھر بیٹھ کر اپنا بچہ پالو۔" وہ طنزیہ بولیں۔ "میں تو اب چلوں گی۔ دیکھو چندا! تمہاری دوستی کے چکر میں، میں نے تمہیں چوہدری سے متعارف کروایا

تھا ورنہ تو یہاں نہ حسن کی کمی ہے نہ ٹیلنٹ کی اور جو لڑکیاں مارکیٹ میں نکلتی ہیں وہ اتنی شرائط اور پابندیوں کے ساتھ آگے نہیں بڑھ پاتیں میں نے تمہیں سمجھا دیا باقی تمہاری مرضی۔ تمہارا جو فیصلہ ہو مجھے دو تین دن میں سوچ کر بتا دو فون پر۔ میں اب یہاں نہیں آؤں گی۔ مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔"

وہ نخوت سے کہہ کر اٹھیں اور اپنا گولڈن پرس بغل میں دابے چل دیں۔ اسے خدا حافظ بھی نہیں کہا۔ چندا نے بے ساختہ آنسو بہانے شروع کر دیے تھے۔

"میری تو قسمت ہی پھوٹی ہوئی ہے۔ کیا ہے جو وہ کم بخت چوہدری بغیر اس واہیات شرط کے مجھے فلم میں لے لے۔" اس نے سسکتے ہوئے سوچا۔

"اور کیا ہے اگر تم اس کی بات مان جاؤ۔" دل نے چپکے سے کہا۔

چندا رونا دھونا بھول کر یک دم خاموش ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا سوچ رہی ہو؟" میرب چھت پر رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی کافی دیر سے ایک ہی زاویے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ وہ مشق سے پہر کا سے تھا۔ ماریہ اور وہ چائے لے کر چھت پر آئی تھیں۔

"ہوں؟" وہ چونکی پھر اس کی جانب دیکھا "کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا کر چائے کا کپ اٹھایا۔

"سائر بھائی کے متعلق سوچ رہی ہو نا۔" ماریہ پُر یقین لہجے میں بولی۔

"تو اور کیا سوچوں۔" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

"ویسے تو سوچنے کو بہت کچھ ہے جیسا کہ" وہ سوچتی ہوئی بولی "میرے سسرال والوں کی آمد پر مینو کیا ہو؟ میرے برائیڈل ڈریسز کس رنگ کے ہوں۔ تم میری شادی پر کیا پہنو گی۔ وغیرہ وغیرہ۔" وہ اسے جتا کر داد طلب نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"نہیں ماریہ۔ میرا دل کہیں بھی نہیں لگ رہا۔ تم نہیں جانتیں میں کس ذہنی اذیت سے دوچار ہوں۔"

وہ بے چارگی سے بولی۔

"اگر تم یونہی سوچتی رہو گی تو ذہنی اذیت ہی میں رہو گی پیارا اپنے آپ کو نکالو اس جمود سے جو تم پر طاری ہے۔"

"میں نے کتنا چاہا تھا کہ میرے اس نئے نئے رشتے کا تماشا نہ بنے مگر بن گیا۔" وہ اداسی سے بولی۔

"تماشا کس نے بنایا ہے میرو۔" وہ برا مان گئی۔

"خدا نخواستہ ہم تماشائی تو نہیں۔ ہم تو تمہارا معاملہ حل کرنے کی مخلصانہ کوشش کر رہے ہیں۔"

"مجھے تم سب کے اخلاص اور کوششوں پر چنداں شک نہیں ماریہ مگر میں جانتی ہوں تمہاری یہ کوشش رائیگاں ثابت ہو گی۔" وہ مایوس لہجے میں بولی۔

"کیوں اتنی مایوسانہ باتیں کر رہی ہو میرو۔ اللہ پر بھروسا رکھو۔ وہ کوئی نہ کوئی بہتری کی صورت نکال دے گا ان شاء اللہ۔" اس نے تسلی آمیز لہجہ اختیار کیا۔

"پھر اب تو یہ صرف تمہارا معاملہ نہیں ان کی اولاد کا بھی معاملہ ہے۔ ہو سکتا ہے یہ نیا موڑ تمہاری زندگی میں خوشی اور مثبت تبدیلی لے آئے۔"

تب ہی ملازمہ نے آکر نیچے وقار صاحب کی آمد کی اطلاع دی۔ میرب کے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔

"چلو۔ دیکھتے ہیں انکل کیوں آئے ہیں۔" ماریہ بھی تشویش سے بولی۔

پھر وہ دونوں ڈرائنگ روم میں چلی آئیں جہاں سعدیہ پہلے ہی موجود تھیں اور غالباً وقار کو صورت حال سے آگاہ کر چکی تھیں ان کے سنجیدہ اور گہری سوچ میں ڈوبے چہرے کو دیکھ کر تو یہی لگا۔ ماریہ اور میرب انہیں سلام کر کے بیٹھ گئیں۔

"بیٹا یہاں آؤ میرے پاس بیٹھو۔" وقار نے اسے پیار سے اپنے پاس بلایا۔ وہ اٹھ کر ان کے نزدیک بیٹھ گئی۔ چند ثانیے کے لیے ڈرائنگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ تب ہی سعدیہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور انہوں نے ماریہ کو بھی پکارا۔

"آؤ بیٹا ماریہ ذرا میرے ساتھ کچن میں۔" پھر وہ میرب سے مخاطب ہوئیں "جب تک تم انکل سے باتیں کرو ہم ابھی آتے ہیں۔" ان کی نگاہوں میں

حوصلہ افزائی تھی۔

"تمہارا بیٹا ہم سے ناراض ہے؟" گفتگو کی ابتدا وقار ہی نے کی۔

"نہیں تو بابا۔ میں آپ سے بالکل ناراض نہیں ہوں۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔

"ہوں۔ سائر سے ہو۔" وہ خاموش رہی۔

"گویا ہو۔" وہ جیسے سمجھ کر سرہلانے لگے۔ "دیکھو بیٹا۔" پھر انہوں نے محتاط لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"سائر کے لیے میں نے تمہارا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تم نہایت سلجھی ہوئی' تعلیم یافتہ اور بہت پیاری بچی ہو اس کے علاوہ تم بھی سائر کی طرح بچپن ہی میں اپنی والدہ کے سائے سے محروم ہوگئی تھیں تو تمہیں شاید بہتر اندازہ ہو کہ اک بن ماں کے بچے کی شخصیت میں کجی رہ ہی جاتی ہے۔ وہ بہت سے نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ بیٹا۔!" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لفظوں کا استعمال نہایت احتیاط اور سوچ سمجھ کر کر رہے ہوں۔

"سائر بھی کچھ مسائل کا شکار رہا ہے مگر میرا خیال تھا کہ تمہارا پیار و محبت اور توجہ اس کے اندر کا یہ خلا پُر کردے گی مگر شاید اس کے من میں اتنی زیادہ گہرائی ہے کہ تمہاری رسائی فی الحال وہاں تک ممکن نہیں ہو سکی۔"

وہ یکدم چپ ہوگئے۔ تب غور سے اس کی بات سنتی ہوئی میرب نے ان سے پوچھا۔

"بابا! مجھے سچ بتایئے گا کہ کیا سائر کہیں انوالو تھے؟"

"کیا مطلب؟" وقار بری طرح چونک اٹھے۔

"میرا مطلب ہے کہ۔" میرب جھجکی۔ "کیا ان کی زندگی میں کوئی لڑکی تھی پہلے۔"

"ہرگز نہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وقار قطعیت سے بولے۔ "مگر تمہیں ایسا کیوں لگا۔؟" انہوں نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"مجھے۔" وہ جھجکی "مجھے لگا شاید وہ کسی کی بے وفائی کا بدلہ مجھ سے لے رہے ہیں۔" وہ تصویر والی بات گول کر گئی۔ ان کا انداز ہی اتنا قطعی تھا۔

"بے وفائی؟" وقار نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "بچے! بے وفائی صرف محبوب یا محبوبہ ہی تو نہیں کرتے۔" ان کا لہجہ گہرا اور یاسیت آمیز تھا۔ "تم اس کی طرف سے جی میلا مت کرو۔ بہت پیارا بچہ ہے میرا سائر۔ تم جیسی اچھی لڑکی اگر اس کا ساتھ دے گی تو بہت جلد وہ اعتبار کرنا سیکھ لے گا وہ صرف بے اعتبار ہے اور کچھ نہیں۔"

"بابا' میں ہر طرح سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں مگر۔ تعاون تو باہمی طور پر ہوتا ہے۔ یک طرفہ نہیں۔ یک طرفہ تو محض احسان ہی ہوا کرتا ہے۔"

"تمہیں احسان ہی کرنا ہوگا بیٹی! کیا تم نہیں جانتیں' احسان کا بدلہ بھی احسان ہی ہوتا ہے۔" انہوں نے اس کا سر تھپکا۔ میرب دھیرے سے مسکرادی۔

"ابھی کیا' جب تک چاہو یہاں رہو۔ ان شاءاللہ وہ خود تمہیں لینے آئے گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں میرا بیٹا اتنا برا نہیں۔"

تب ہی سعدیہ اور ماریہ کے ساتھ ٹرالی گھسیٹتی ملازمہ آتی دکھائی دی۔ میرب کے لبوں پر **نسبتاً** مطمئن مسکراہٹ سجی تھی۔ ماریہ نے بھی سکون سا محسوس کیا۔

"پھر کب آرہے ہیں ہماری بیٹی کے سسرال والے تاریخ لینے۔" وقار نے موضوع بدلا تو سب اب اس موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔ ماریہ شرگیں مسکراہٹ سمیت بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ میرب اسے دیکھ کر کھل کر مسکرادی۔

☼ ☼ ☼

پچھلے دو گھنٹوں سے وہ فل اسپیڈ سے گاڑی مختلف سڑکوں پر دوڑا رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کس سے بھاگنا چاہتا تھا۔ زہریلی سوچیں تھیں کہ اس کا دامن یوں پکڑے ہوئے تھیں گویا چھوٹ جانے کا خدشہ ہو۔

تھپڑ۔ دھکے۔ جھڑکیاں۔

ہاں یہی سب تو ہے میرے بچپن کی سوغات۔ مگر

میں اسے کسی اور کا نصیب نہیں بننے دوں گا۔ چاہے اس کے لیے مجھے اس کی جان ہی کیوں نہ لینی پڑے۔" اس نے مصمم ارادہ کیا۔ رات کا اندھیرا کچھ اور بڑھ گیا تھا گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی اور سائز خود سے۔

☼ ☼ ☼

"یومی آنٹی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔ بھلا اس جیسا بیک ورڈ انسان مجھے بخوشی اجازت کیوں دینے لگا اس کام کی۔ اچھا ہے نا' بعد میں بھی تو یہی سب ہونا ہے تو ابھی ہی کیوں نہ ہو؟" چندا نتیجے پر پہنچ چکی تھی۔ سارا مسئلہ جمیل سے بات کرنے کا تھا اور آج کل وہ اسی ادھیڑبن میں تھی۔ یومی آنٹی کو پہلے ہی فون کر کے وہ اپنی رضامندی دے چکی تھی جس پر انہوں نے اسے ازحد شاباشی سے نواز کر بے پناہ مسرت کا اظہار کیا تھا۔ مگر سارا مسئلہ یہ ہی تھا کہ وہ جمیل سے کہے کیسے' مگر بہرحال اسے ہمت تو کرنی تھی سو اس نے کمر کس ہی لی۔ وہ آج کل مختلف فائلیں پھیلائے نجانے کیا کرتا رہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا کسی نیلی فائل میں منہمک تھا تب ہی چندا اس کے نزدیک آ کر کھڑی ہو گئی۔

"سنو! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اس وقت بے طرح گھبراہٹ کا شکار تھی۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔

"بولو جان' سن رہا ہوں۔"

"مجھے تم سے طلاق چاہیے۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے بالآخر جلدی سے کہہ دیا۔

جمیل نے حیرانی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "کیا چاہیے؟" ویسے تو اسے ہمیشہ کچھ نہ کچھ چاہیے ہی ہوتا تھا تب ہی وہ اس کے پاس آتی تھی مگر اس وقت "کیا" چاہیے۔ وہ سمجھ نہیں سکا۔

"مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا۔ مجھے طلاق چاہیے۔" اس نے "طلاق" پر زور دے کر کہا۔ جمیل بے ساختہ زور سے ہنس دیا۔ اس کے ہنسنے پر وہ جزبز ہو گئی۔

"میں مذاق نہیں کر رہی۔" وہ تپ کر بولی۔

"او ہو۔۔۔ بیٹھ جاؤ۔۔۔ بیٹھ کر بات کرو۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"قسم سے یار میں اتنا میچور شخص اور تم۔۔۔ ایمان سے تم بالکل بچوں جیسی حرکتیں کرتی ہو۔" وہ ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹ کر اپنے نزدیک بٹھاتے ہوئے بولا۔ وہ تلملا گئی۔

"جمیل! میں سنجیدہ ہوں۔"

"ہاں وہ تو دکھ ہی رہی ہو' مگر ہو کیوں۔۔۔ اب کیا غلطی کر بیٹھا ہوں۔ میں اچھا ہاں یاد آیا' تمہارا ہنی مون ڈیو ہے مجھ پر۔ سچ سچ۔۔۔ ویسے ٹھیک ہی ناراض ہو' تم حق ہے تمہارا' کتنے سال ہو گئے۔ مگر میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا۔ بس جان نیا نیا اس کام میں ہاتھ ڈالا ہے۔ کام مکمل توجہ مانگ رہا ہے بس اسی لیے تم سے غافل ہو گیا' مگر پکا وعدہ اب بالکل بھی نہیں۔ اگلے ہفتے کام کے چکر میں مجھے ملائیشیا جانا ہے۔ چلو تم بھی۔۔۔ اب ٹھیک۔" وہ اسے پچکارتے ہوئے بولا۔

"لعنت بھیجتی ہوں میں تم پر اور تمہارے جھوٹے وعدوں پر۔ بس میں نے کہہ دیا مجھے طلاق چاہیے۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی تو وہ بھی یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"چندا! اتنا بچپنا اچھی بات نہیں۔ میں اگر تمہارے جاہلانہ مطالبے کو ہنس کر ٹال رہا ہوں تو میری نرمی سے ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔" وہ بولا۔ ساری فائلیں اس نے پرے کھسکا دی تھیں۔ چندا بھی ہاتھ چھڑا کر ایک مرتبہ پھر کھڑی ہو گئی۔

"میں بچی نہیں ہوں۔ پورے ہوش و حواس میں یہ بات کر رہی ہوں۔ یہ مطالبہ کرنا میرا حق ہے۔" وہ چلائی۔

"آہستہ بولو جاہل عورت۔۔۔ سو تو سن لے گا تمہیں اس کا کچھ خیال ہے کہ نہیں۔" وہ بھی ضبط کرتے کرتے چیخ گیا۔

"مجھے کسی کی پروا نہیں۔۔۔ تم لوگوں کو جب میرا احساس نہیں تو میں کیوں خیال کروں۔"

"دیکھو' تم حد سے بڑھ رہی ہو۔۔۔" وہ انگلی اٹھا کر

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)